صائمہ اکرم چوہدری



سیاہ حاشیہ پار مت کرو۔ ”پچھتاؤ گی۔“ ایک نادیدہ آواز روکتی رہی لیکن وہ لڑکی نہ رکی۔ سیاہ حاشیہ عبور کر گئی اور تب اسے احساس ہوا کہ اپنے لیے جہنم خرید چکی ہے۔



عدینہ کاٹھ کباڑ میں اپنی پرانی ڈائریاں تلاش کر رہی ہے تو اسے ایک کتبہ ملتا ہے۔ جس پر اس کی والدہ صالحہ رفیق کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات درج ہوتی ہے۔ وہ بری طرح الجھ جاتی ہے۔ اس کی والدہ تو زندہ ہیں پھر یہ کتبہ کس نے اور کیوں بنوایا ہے۔ تب ہی اس کی والدہ صالحہ آجاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ڈائریاں تو انہوں نے ردی والے کو دے دی ہیں۔ عدینہ کو بہت دکھ ہوتا ہے پھر اسے کتبہ یاد آتا ہے تو وہ سوچتی ہے کہ عبداللہ سے اس کے متعلق پوچھے گی۔

عبداللہ پابند صوم و صلوۃ وہ مسجد کا موذن بھی ہے اور اس نے عربی میں ایم فل کر رکھا ہے عدینہ کی اس کے ساتھ منگنی

ناولٹ

ہو چکی ہے۔ عدینہ ہاسٹل میں رہتی ہے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔
عدینہ کے والد مولوی رفیق کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ دادی سے قریب ہے مونا اس کی کزن ہے۔ وہ حویلیاں شہر سے قرآن حفظ کرنے ان کے گھر آئی ہے۔
عدینہ عبداللہ سے بہت محبت کرتی ہے۔ عبداللہ بھی اسے چاہتا ہے لیکن شرعی اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والی صالحہ آپا نے منگنی ہونے کے باوجود انہیں آپس میں بات چیت کی اجازت نہیں دی۔
شانزے ماڈل بننا چاہتی ہے۔ ریمپ پرواک کرتے ہوئے اس کا پاؤں مڑجاتا ہے اور وہ گر جاتی ہے۔
ڈاکٹر بینش نیلی کوٹھی میں اپنے بیٹے ارصم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کے شوہر کرنل جاوید کا انتقال ہو چکا ہے۔
نیلی کوٹھی کے دوسرے حصے میں ان کے تایا ڈاکٹر جلال اپنی بیوی اور پوتی اوریدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دو شادی شدہ بیٹیاں ہیں اور اکلوتا بیٹا تیمور لندن میں مقیم ہے۔ بیوی کی وفات کے بعد تیمور نے اوریدا کو پاکستان اپنے باپ کے پاس بھجوا دیا ہے۔ بیٹا ماہیران کے پاس لندن میں ہے۔
اوریدا اور ارصم کی بہت دوستی ہے۔ جو ڈاکٹر بینش کو بالکل پسند نہیں۔ ڈاکٹر بینش تیمور کے نام سے بھی نفرت کرتی ہیں۔
عبداللہ عدینہ کو اپنا سیل نمبر بھجواتا ہے۔ صالحہ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ شدید غصہ ہوتی ہیں اور نمبر پھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔
سرمد اپنے دوست کے پروڈکشن ہاؤس میں جاتا ہے تو وہاں شانزے کو دیکھتا ہے۔ شانزے اس کی منتیں کر رہی ہے کہ وہ ایک چانس اسے دے کر دیکھے۔
شانزے سخت مایوسی کا شکار ہے۔ رباب اس کی روم میٹ اسے تسلی دیتی ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف ایک پھوپھی ہیں جن کے گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس کی ماں اسے پھینک کر چلی گئی تھی اور باپ کو

کسی مذہبی جنونی نے قتل کردیا۔ شانزے کا خاندان مسلمان ہے لیکن وہ کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ ہاسٹل میں رہنے کے لیے اس نے کالج میں داخلہ لے رکھا ہے۔ وہ شوبز میں اپنا نام بنانا چاہتی ہے۔
آپا صالحہ نے عدینہ کی عبداللہ سے منگنی توڑ دی ہے۔ عبداللہ عدینہ سے ایک بار بات کرنا چاہتا ہے۔ عدینہ چھت پر جاتی ہے تو عبداللہ وہاں آجاتا ہے۔ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ عدینہ کو برا بھلا کہتی ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی ہیں۔
اوریدا ارصم کے ساتھ پیپر دینے جاتی ہے۔ ارصم باہر اس کا انتظار کرتا ہے۔ وہ اوریدا کو واپس لے کر آتا ہے تو ڈاکٹر بینش اسے بہت ڈانٹتی ہیں کیونکہ وہ ان کی گاڑی لے کر جاتا ہے۔ اوریدا اپنے باپ تیمور کو یہ بات بتاتی ہے تو وہ اس کو نئی گاڑی خرید کر دے دیتے ہیں' آغاجی کو یہ بات بری لگتی ہے۔
ٹی وی پر ایک مذہبی پروگرام دیکھتے ہوئے صالحہ آپا شدید جذباتی ہو کر رونے لگتی ہیں۔ عدینہ کو اسٹور روم کی صفائی کے دوران ایک تصویر ملتی ہے جو کسی مرد کی ہے۔
ارصم اوریدا کو گاڑی چلانا سکھاتا ہے۔ اوریدا کے امتحان میں کم نمبر آتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔
مونا عدینہ کو بتاتی ہے کہ آپا نے اس کی منگنی اس لیے توڑی کہ وہ چاہتی تھیں کہ عبداللہ عدینہ سے فوراً" شادی کرلے۔ عبداللہ نے فوراً" شادی سے انکار کردیا تھا۔
عبداللہ تبلیغی دورے پر جاتا ہے تو اس کا جہاز کریش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مرنے کی خبر آجاتی ہے۔
عدینہ پر عبداللہ کی موت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے بری طرح بدظن ہو جاتی ہے۔
شانزے جب بھی کوئی غلط کام کرنا چاہتی ہے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ رباب اسے سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غلط راستوں سے بچانا چاہتا ہے۔
ارسل' شانزے کو زخمی ہونے پر تسلی دیتا ہے' وہ بتاتا ہے کہ ایڈ میں کام کے لیے اس نے سفارش کی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ شانزے اسے اپنا بھائی سمجھے۔
ارصم بہت اچھے نمبروں سے ایف ایس سی کرلیتا ہے۔ ڈاکٹر بینش اس خوشی میں ڈنر دیتی ہیں۔
عدینہ فیصلہ سنادیتی ہے کہ اسے ڈاکٹر نہیں بننا۔ یہ سنتے ہی آپا صالحہ شدید پریشان ہو جاتی ہیں۔

گیارہویں قسط

بختاور خود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے دوبارہ بیڈ کی طرف بڑھی اور لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے بیٹھ گئی' سرما کی اس یخ بستہ رات میں اس کا سارا وجود پسینے سے شرابور تھا۔ دل کو گویا پنکھے لگ گئے تھے اور دماغ میں ایک حشر بپا تھا۔
"اگر وہ مسلمان نہیں تھا تو اس نے میرے ساتھ کورٹ میرج کیوں کی؟" ذہن میں پہلا سوال ابھرا۔
"شاید مجھے مطمئن کرنے کے لیے۔" اس جواب کو سوچ کر اس کا وجود پھر زلزلوں کی زد میں آگیا۔
"نہیں نہیں' ہاشم کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بھلا کیوں مجھ سے جھوٹ بولے گا۔" ایک اور سوچ نے اس کے ذہن کا احاطہ کیا۔
"لیکن اگر ایسا ہی ہوا تو۔" وہ بے بس انداز میں اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر بیٹھ گئی۔
"وہ اتنا اچھا انسان ہے' کسی کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔ مجھے لگتا ہے اس کے بھائی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے خود کو دلاسا دیا۔
"لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو؟ میں کہاں جاؤں گی۔" تلخ سوچیں بدصورت چمگادڑوں کی طرح اس کے سر پر بے ہنگم انداز میں گھوم رہی تھیں۔
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ایسے ہی کوئی اور جائیداد وغیرہ کا چکر ہوگا۔" وہ خود کو تسلی دیتے دیتے نڈھال ہو

کرلیٹ گئی۔
"بعض دفعہ جوان لڑکے تھوڑے بہت گمراہ ہو ہی جاتے ہیں، میں اپنی محبت سے اسے واپس لے آؤں گی۔" وہ ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھ بیٹھی اس سوچ نے اس کے اندر توانائی بھر دی تھی۔
"بھلا ہاشم جیسا انسانیت سے محبت کرنے والا شخص کیسے ملحد ہو سکتا ہے۔" اس کے خوش فہم دل نے اسے نئی راہ دکھائی۔
"مجھ سے ہی بات کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہوگی۔" وہ خود کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔
دوسری طرف ہاشم شاید اپنے بھائی کے ساتھ مصروف ہو چکا تھا کیونکہ اب باتوں کی آواز بہت مدھم آرہی تھی۔ بختاور بھی اپنے ذہن کو پر سکون کر کے نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب ہاشم سونے کے لیے آیا۔ صبح فجر کی اذان کے ساتھ اس کی آنکھ کھلی وہ جلدی سے اٹھی اور وضو کر کے نماز پڑھنے کے لیے کمرے کی لائٹ جلائی۔ ہاشم نے بے زاری سے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ ناگواری کا ایک تاثر اس کے پورے چہرے پر پھیلا ہوا تھا۔
"کیا ہوا؟" وہ جائے نماز بچھاتے بچھاتے رکی۔
"یار تم یہ اپنی اٹھک بیٹھک کہیں اور جا کر نہیں کر سکتیں۔" وہ نیند کے خمار کے زیر اثر جھنجلا کر بولا۔
"کون سی اٹھک بیٹھک؟" بختاور کو بہت برا لگا۔
"یہی جو تم صبح و شام کرتی ہو اب صبح صبح میری نیند خراب کر دی۔ اس سے اچھا ہے تم دن چڑھے یوگا کر لیا کرو۔" اپنی نیند خراب ہونے کی وجہ سے وہ حد درجہ چڑا ہوا تھا۔
"ہاشم! میں نماز پڑھتی ہوں جو اللہ نے ہم سب مسلمانوں پر فرض کر رکھی ہے۔" اس نے پریشانی سے اسے یاد دلایا۔
"کس اللہ نے؟" وہ سستی سے جمائی لیتے ہوئے بولا۔
"وہی جو سب کا رب ہے۔" بختاور کو اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔
"تم نے دیکھا ہے کبھی اس کو؟" اس نے بے زاری سے اپنا تکیہ درست کیا۔
"ہاں، دنیا کی ہر چیز میں اس کا عکس جھلکتا ہے، صرف دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنے والا دل ہونا چاہیے۔" وہ نماز چھوڑ کر پریشانی سے اس کے پاس پہنچ گئی۔
"اچھا پلیز! یہ صبح صبح تبلیغی لیکچر مت دینا اچھی خاصی نیند خراب کر دی میری۔" اس نے غصے سے کمبل لیا اور دوسری طرف منہ کر کے لیٹ گیا۔ بختاور ہکا بکا انداز کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی۔
"نیند میں ہوگا اسی لیے اوٹ پٹانگ بول گیا۔"
اس نے سر جھٹک کر اپنی پریشانی کو دور کیا اور جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔ جب کہ دوسری جانب ہاشم ایک دفعہ پھر گہری نیند میں جا چکا تھا۔ اس کے خراٹوں کی آواز سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے یہ ساری گفتگو نیند ڈسٹرب ہونے کی وجہ سے لاشعوری انداز میں کی ہے وہ بھی نماز پڑھ کر مطمئن ہو کر لیٹ گئی۔



"اوہ مائی گاڈ! تیمور نے میری بات سن لی۔ اب کیا ہوگا؟" بینش، تیمور کے پلٹنے پر حواس باختہ ہوئی۔ وہ ڈیزی کی پسند کی شادی کا ذکر جتنے بھونڈے انداز میں کر رہی تھی اور باقاعدہ اس خبر سے لطف اٹھا رہی تھی، یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تیمور اس سے خفا نہ ہوا ہو۔
"تیمور بھائی بہت غصے میں واپس گئے ہیں۔" بندیا نے ڈرتے ڈرتے اسے اطلاع دی۔
"بے وقوف لڑکی، تم مجھے بتا نہیں سکتی تھیں۔" اس نے کھا جانے والی نظروں سے بندیا کو دیکھا وہ اپنا غصہ خوامخواہ اس پر اتارنے لگی تھی۔
"میں کس طرح بتاتی، وہ اچانک ہی آگئے تھے۔" اس نے بھی گھبرا کر صفائی دی۔

"میرا خیال ہے وہ آغاجی کو بلانے آیا ہو گا۔" بینش نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔
"لیکن بیا! اب کیا ہو گا؟" بندیا اس سے زیادہ سہم گئی۔
"ہونا کیا ہے، منالوں گی۔ آخر اتنی تو محبت کرتا ہے وہ مجھ سے۔" بینش کی بات پر اسے دھچکا لگا۔ اس نے حیرانی سے اس کا پراعتماد چہرہ دیکھا' وہ ضرورت سے زیادہ خود آگاہ تھی اور ہر قسم کی صورت حال سے نبٹنے کا ہنر جانتی تھی لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ مرد بڑی سے بڑی بات پی سکتا ہے لیکن اپنے خونی رشتوں کا اڑایا جانے والا مذاق کبھی بھی برداشت نہیں کرتا۔
بڑے ابا کے گھر میں موت کا سا سناٹا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے در و دیوار تک سہم گئے ہوں۔ ڈاکٹر جلال اور ان کی بیگم، ڈیزی کے بغیر ہی واپس آچکے تھے۔ اس واقعے کے بعد بڑے ابا کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی تھی اور بڑی اماں کونے کھدروں میں چھپ کر روتی تھیں کہ کہیں ان کے میاں کو خبر نہ ہو جائے۔ گھر کی دیواروں پر لگی وہ ساری تصویریں ہٹا دی گئی تھیں جن میں ڈیزی موجود تھی۔ ان ہی دنوں طیبہ کا میڈیکل کالج میں داخلہ ہو گیا اور اس خبر نے بھی بڑے ابا کے وجود پر پھیلے جمود کو نہیں توڑا۔
"اللہ غارت کرے تمہیں، تم نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" بڑی اماں کے دل سے نکلنے والی آہیں ارد گرد کے لوگوں کو خوفزدہ کر دیتیں۔
"بیگم صاحبہ! خدا کے واسطے بددعا مت دیں۔" رحمت بوا کی آنکھیں ان سے التجا کرتیں۔
"کیا کچھ نہیں کیا تھا اس کے لیے۔ باپ سے چھپ کر کون کون سی فرمائشیں پوری نہیں کی تھیں میں نے۔" بڑی اماں منہ پر دوپٹہ رکھ کر جو رونا شروع کرتیں تو چپ کرانا محال ہو جاتا۔
"لڑ جھگڑ کرا تنی دور ایڈمیشن کروایا یونیورسٹی میں اور اس نے خاک ڈال دی ہمارے سروں پر۔" ان کے سارے دکھ ایک ساتھ جاگ اٹھتے۔
"اللہ جانے کون لڑکا تھا' کس خاندان کا تھا۔ کچھ پتا ہوتا تو تحقیق ہی کروا لیتے۔" بوا رحمت نے بھی سرد آہ بھری۔
"اب تو جیسا بھی چوڑا چمار ہو' اسی کے ساتھ منہ کالا کرے اپنا۔" بڑی اماں جل کر بولیں۔
"خیر اب چوڑے چمار سے تو شادی کرنے سے رہی وہ' اتنی بھی پاگل نہیں ہے۔" بوا نے سنجیدگی سے لقمہ دیا۔
"دیکھ لینا بوا' چاہے شہزادہ ہی کیوں نہ ہو لیکن ماں باپ کی آہوں پر رکھے گئے گھروں کی بنیادیں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتیں۔" انہوں نے بے دردی سے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا۔
"اللہ کسی آزمائش سے بچائے۔" بوا کا دل دہل گیا۔
"دیکھ لینا ایک کے بجائے دو دو بیٹیاں پیدا ہوں گی' تب اسے احساس ہو گا میرے جذبات کا۔" انہوں نے دکھی دل سے آہ بھری۔
تیمور نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا اور بینش کے بار بار دروازہ کھٹکھٹانے پر بھی اندر سے کوئی آواز نہیں آتی تھی۔ اس ساری صورت حال نے بینش کو وقتی طور پر بوکھلا دیا تھا۔ ڈیزی کے گھر سے جانے کی ساری خوشی ملیا میٹ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس ساری صورت حال میں بندیا لحہ لحہ بڑی اماں کے ساتھ تھی۔ طیبہ تو اپنی میڈیکل کی پڑھائی میں مگن ہو گئی تھی اور تیمور نے اپنی سیٹ کچھ ہفتے اور آگے کروالی تھی۔ وہ ان حالات میں اپنی ماں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ جب کہ بڑے ابا تو سارے خاندان سے خفا ہو گئے تھے۔ انہوں نے سرد مہری اور خاموشی کی چادر اوڑھ لی تھی۔
وہ اسپتال سے آکر اپنے کمرے تک محدود ہو جاتے اور ان کے کمرے میں صرف بینش اور آغاجی کو جانے کی اجازت تھی۔ آج کل تو بینش بھی تیمور کے رویے کی وجہ سے کافی پریشان تھی' اسی لیے دن میں ایک دو دفعہ چکر لگا جاتی اور یں نے اوپر اوپر سے بڑی اماں سے

افسوس کا اظہار بھی کرلیا تھا' یہ اور بات کہ انہیں بالکل یقین نہیں آیا تھا۔ تیمور کے رویے سے گھبرا کر بینش نے کچھ دن کے لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

اس دن بھی بندیا خاموشی سے پچھلے صحن کے برآمدے میں رکھے لکڑی کے تخت پر آکر بیٹھ گئی۔ بڑی اماں کی متورم آنکھوں کو دیکھ کر اس کا دل تاسف کے گہرے احساس سے بھر گیا۔ بوا رحمت ان کے پاس بیٹھیں' ان کا سر دبا رہی تھیں۔

"بوا! اتنی وحشت تو اس وقت بھی نہیں ہوئی تھی جب آغا نے عین شادی کے دن میری بہن کے گھر بارات لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔" بڑی اماں کی بات پر بندیا زبردست انداز میں چونکی۔

"وہ بھی تو قیامت کا دن تھا بیگم صاحبہ!" بوا رحمت رنجیدہ ہوئیں۔

"ڈیزی نے تو میری کمر ہی توڑ دی۔ کیسے چن کر اس کا نام رکھا تھا میں نے 'بختاور' اور وہ کتنی بدنصیب نکلی۔" وہ بے آواز رونے لگیں۔

"تائی اماں! پلیز بس کریں نا۔" بندیا نے ہلکا سا جھجک کر انہیں دلاسا دینے کی کوشش کی۔

"اولاد کی خودسری ماں باپ کو وقت سے پہلے مار دیتی ہے بیٹا' مت پوچھو' کس جہنم میں جل رہی ہوں میں۔" تائی اماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ بندیا نے افسردگی سے سرہلایا' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس زبان میں انہیں تسلی دے۔

"اماں' شفیق چچا آئے ہیں آپ سے ملنے۔" طیبہ افسردہ انداز میں چلتی ہوئی وہاں پہنچی۔

"لو! جلال صاحب پھر میری تربیت میں کمی کا کھاتہ کھول کر بیٹھ جائیں گے۔" وہ تلخ لہجے میں کہتی ہوئی ان سے ملنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"خاندان والے بھی تو سکون سے بیٹھنے نہیں دے رہے' جس کو دیکھو چسکے لینے کے لیے آرہا ہے۔" بوا رحمت کو غصہ آیا۔

"بوا جب اپنی ہی جھولی میں چھید ہوں تو دوسروں سے کیا گلہ۔" ان کا لہجہ نم ہوا۔

"میری مانیں تو بڑے صاحب سے مت ملوایے گا انہیں۔" بوا رحمت نے فوراً مشورہ دیا۔

"وہ ابا کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔" طیبہ نے منہ بنا کر اطلاع دی تو بوا رحمت کے چہرے پر مردنی سے چھا گئی۔ طیبہ اپنی ماں کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ گئی' اب وہاں صرف بندیا اور بوا رحمت بیٹھی تھیں۔

"بوا رحمت! ایک بات پوچھوں۔؟" بندیا نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

"ڈیزی بیٹا کے بارے میں مت پوچھنا' یقین مانو کلیجہ جل جاتا ہے۔" بوا بدلحاظ ہوئیں۔

"نہیں نہیں بوا' ان کے بارے میں نہیں ہے۔" اس نے بوکھلا کر وضاحت دی۔

"اچھا' پھر پوچھو۔" انہوں نے اپنا پاندان کھول دیا۔

"بوا بینش کے بابا نے تائی اماں کی بہن سے شادی

سے انکار کیوں کیا تھا؟" اس نے محتاط انداز میں دریافت کیا۔

"عشق کا بھوت جو سوار تھا ان پر۔" بوا نے مختصر جملے میں جواب دیا۔

"پھر شادی والے دن ہی کیوں انکار کیا؟" وہ الجھن بھرے انداز میں گویا ہوئی۔

"پہلے تو بڑے بھائی اور بھاوج کے لحاظ میں چپ رہے ہم سمجھے کہ بینش کی ماں کے عشق کا بھوت اتر گیا ہے لیکن عین بارات کے دن انکار کردیا۔ مت پوچھو کتنی جگ ہنسائی ہوئی پورے خاندان کی۔" وہ افسردہ ہوئیں۔

"کیسی تھیں اس کی والدہ....؟" بندیا نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

"مطلقہ عورت تھی اور ایک پانچ سال کا بیٹا بھی تھا اس کا جو اس نے چھوٹے صاحب کی محبت میں چھوڑ دیا۔" بوا رحمت کی بات پر اسے دھچکا لگا۔ وہ ہکا بکا انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگی جو مزید انکشاف کررہی تھیں۔

"اور سچ پوچھو شکل و صورت تو اللہ نے بنائی ہے اس میں کیا نقص نکالنا لیکن مزاج بھی سوا نیزے پر رہتا تھا اس کا۔" انہوں نے مزید اسے حیران کیا۔

"تو بیا کا بھائی کہاں رہتا ہے؟" بندیا نے حیرانی سے پوچھا۔

"ماں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس لیے باپ کے ساتھ باہر چلا گیا اور پھر کوئی خبر نہیں ملی اس کی۔" انہوں نے چھالیہ کترتے ہوئے لاپروائی سے بتایا۔

"اسی وجہ سے ان کی تائی اماں کے ساتھ نہیں بنی؟" اسے کچھ معاملہ سمجھ میں آہی گیا۔

"بڑی بیگم صاحبہ نے تو دل بڑا کرہی لیا تھا لیکن اس کی ماں کا مزاج بہت عجیب تھا۔ بہت اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتی تھی وہ۔"

"وہ کیسے؟" تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ان کے بالکل قریب آکر بیٹھ گئی۔

"سب سے پہلے تو اس نے اس گھر میں آنے کے بعد بڑے صاحب کو قابو کیا انہیں بچوں اور بیگم صاحبہ کی طرف سے بدگمان کیا حالانکہ وہ تو بینش کی والدہ سے بہت بری طرح چڑتے تھے لیکن جلد ہی اس کی باتوں میں آگئے۔ رہی سہی کسر بینش کی پیدائش کے بعد پوری ہوگئی۔" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

"لیکن وہ ایسا کیوں کرتی تھیں؟" بندیا کو اب بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

"دماغ کی خرابی۔" انہوں نے منہ بنایا۔ "اسے لگتا تھا کہ ساری دنیا اس کی دشمن ہے۔ سارے خود ساختہ وہم پال رکھے تھے اس عورت نے۔"

"آغا جی نے کبھی نہیں سمجھایا انہیں....." اس کے ذہن میں سوال ابھرا۔

"وہ بے چارے تو شادی کے کچھ ہی عرصے کے بعد پچھتانے لگے تھے لیکن بینش کی پیدائش کے بعد مجبور ہوگئے۔ وہ تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا اس عورت کی زندگی ہی کم تھی لیکن اس مختصر عرصے میں جو اس نے اپنی بیٹی کے ذہن میں زہر بھرا وہ ساری زندگی کے لیے کافی تھا۔" بوا رحمت کے چہرے پر افسردگی چھاگئی۔

یہ ساری تفصیل جان کو بندیا کا دل بھی رنجیدہ ہوگیا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ بینش کی والدہ شدید قسم کے عدم تحفظ کا شکار تھیں اور انہیں لگتا تھا کہ وہ زبردستی اس گھر میں آئی ہیں اور کہیں ان سے یہ گھر اور ان کا مقام چھین نہ لیا جائے اس لیے انہوں نے اس گھر کے سربراہ ڈاکٹر جلال کو قابو کرنے کے لیے انہیں باقی گھر والوں سے بدگمان کردیا اور رہی سہی کسر ڈیزی اور تیمور کی خود سری نے پوری کردی۔ جس کے نتیجے میں جلال صاحب اپنے سارے ہی بچوں سے دور ہوتے گئے۔ اسی وجہ سے اب اس گھر میں صرف بینش کی اہمیت تھی۔ جس کا وہ اکثر ناجائز فائدہ اٹھاتی نظر آتی تھی۔ بندیا کو یہ ساری حقیقت جان کر دکھ ہوا۔



"تم نے نئے سیریل کا کنٹریکٹ سائن کرلیا؟" رباب ہکا بکا انداز میں شانزے کا چہرہ دیکھنے لگی "اسے لگا

جیسے اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے' جبکہ شانزے اس کے چہرے پر پھیلی ناگواری اور پریشانی سے نظریں چرائے اپنا اسکرپٹ پڑھنے کی اداکاری کرنے لگی۔

"تو کیا ہوا۔" اس نے دانستہ لاپروائی سے کہا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟" رباب نے آگے بڑھ کر اس سے غصے سے اسکرپٹ چھینا۔

"اس میں دماغ کی خرابی کی کیا بات ہے۔" شانزے تھوڑا سنبھل کر گویا ہوئی۔

"تم نے ماہیر بھائی سے وعدہ کیا تھا کہ تم نیکسٹ ٹائم کوئی ایسا کام نہیں کروگی۔" رباب نے ناگواری سے اسے یاد دلایا۔

"وہ میری بے وقوفی تھی۔" وہ ڈھٹائی سے اس کے ناراض چہرے کو دیکھنے لگی۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے وعدہ خلافی کرتے ہوئے۔" رباب نے غصے سے اسکرپٹ بیڈ پر پھینکا۔

"وہ خود تو انگلینڈ جاکر بیٹھ گیا ہے اور چاہے ساری زندگی واپس نہ آئے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"وہ کیوں واپس نہیں آئے گا بھلا؟" رباب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک آدھ تھپڑ گھما کر اس بے وقوف لڑکی کو لگا دے۔ جو اپنے بے صبرے پن اور جذباتیت سے چیزوں کو خراب کرنے پر تل گئی تھی۔

"پندرہ دن ہوگئے ہیں اسے گئے ہوئے اور صرف ایک دفعہ کال کی ہے اس نے مجھے۔" وہ ناراضی سے بستر پر بیٹھ گئی۔

"کوئی فنکشن اٹینڈ کرنے نہیں گیا وہ۔" اس نے طنزیہ انداز میں اسے یاد دلایا۔

"پتا ہے مجھے اس کے والد کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" شانزے نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"تم بہت بے حس اور فضول لڑکی ہو۔ تم سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے۔" رباب جیسی ٹھنڈے مزاج کی لڑکی بھی بری طرح تپ گئی۔ وہ ناراضی سے کمرے سے نکل گئی جب کہ شانزے کا دل لمحہ بھر کو پریشان ہوا اور اس کے بعد اس نے خود کو سنبھال کر اپنا اسکرپٹ اٹھایا اور پڑھنا شروع کردیا۔ ان دنوں سرمد بھی کسی پراجیکٹ میں مصروف تھا۔ اس لیے اسے شانزے کی مصروفیت کا اندازہ نہیں ہوسکا' وہ کچھ گھنٹوں کے لیے آفس جاتی اور پھر اس نے ایک مہینے کی چھٹی لے لی' وہ جلد از جلد اپنے ڈرامے کی ریکارڈنگ کروانے میں مصروف تھی۔ اس دن اس کا آخری شوٹ تھا' جب سیریل کے ڈائریکٹر کے ساتھ سرمد کو دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا' وہ بھی گولی کی طرح اڑتے ہوئے اس کے قریب پہنچا۔

"تم یاور کا سیریل کررہی ہو اور تم نے بتایا تک نہیں۔" اس کے لہجے سے خفگی جھلکی۔

"وہ سرمد بھائی! میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔" شانزے نے جلدی سے بات بنائی۔

"تمہیں پتا ہے' ماہیر اس بات کو سخت ناپسند کرے گا۔" وہ حد درجہ سنجیدگی سے اس کا بدلا بدلا سا روپ دیکھ رہا تھا۔

"حالانکہ کرنا تو نہیں چاہیے۔" شانزے نے بے نیازی کی انتہا کی۔

"لیکن تمہیں کم از کم مجھے تو بتانا چاہیے تھا۔" وہ اس پر ناراض ہوا۔

"کہا نا کہ میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔" اس نے ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔

"یہ میرے لیے بھی کوئی خوشی کی خبر نہیں ہے شانزے۔" سرمد کی ناراضی پر وہ تھوڑا بے چین ہوئی۔

"آئی ایم سوری بھائی۔۔۔۔" اس کی معذرت بھی سرمد کا موڈ بحال نہیں کرسکی تھی تب ہی تو وہ ہنوز سابقہ لہجے میں بولا۔ "اینی ہاؤ' بیسٹ آف لک۔ میں چلتا ہوں اب۔" وہ اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر اپنی گاڑی کی طرف پلٹ گیا۔

شانزے اب ٹھیک ٹھاک پریشانی کا شکار ہوچکی تھی' اسی لیے وہ اپنے کام پر بھی پوری توجہ نہیں دے پارہی تھی۔ وہ ڈائریکٹر سے معذرت کرکے ہاسٹل چلی آئی' جہاں ایک اور پریشان کن خبر اس کی منتظر تھی۔ وارڈن نے اسے ہاسٹل خالی کرنے کی وارننگ دے دی تھی' وہ ایم ایس میں ایڈمیشن لے کر یہاں موجود تھی۔

ڈیپارٹمنٹ سے بھی اس کا نام خارج کر دیا گیا تھا۔
"اب کیا ہو گا رباب....؟"
"ہاسٹل تو تمہیں خالی کرنا ہو گا' کیونکہ وارڈن کو پتا چل گیا ہے کہ تم شوبز جوائن کر چکی ہو۔" رباب اپنی ساری خفگی بھلائے اب اس کے ساتھ اپ سیٹ تھی۔
"لیکن میں تو ایک سال کے ڈیوز ادا کر چکی ہوں۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔
"وارڈن کو اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا' اگر تم کہتی ہو تو ہم دونوں دوبارہ اس سے بات کرتے ہیں۔" رباب نے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔ وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ وارڈن کے آفس چلی آئی' لیکن اتنی زیادہ بحث کا صرف اتنا فائدہ ہوا تھا کہ وارڈن نے اسے پندرہ دن کی مہلت دے دی تھی۔
"تم سرمد بھائی سے بات کرو نا' وہ جو تم نے پہلے ڈی ایچ اے میں ایک فلیٹ لیا تھا کرائے پر۔" رباب نے اسے یاد دلایا۔
"وہ تو ان سے ایڈوانس واپس لے کر ایگری منٹ ختم کر دیا تھا کیونکہ فلم جو کینسل ہو گئی تھی میری۔" اس نے رنجیدگی سے بتایا۔
"دوبارہ بھی تو مل سکتا ہے نا' تم بات تو کرو سرمد بھائی سے۔" رباب کے اصرار بھرے انداز پر اس نے آنکھیں چرائیں۔ رباب کو کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا۔
"تم کال کیوں نہیں کر رہی ہو انہیں....؟" وہ الجھن کا شکار ہوئی۔
"وہ خفا ہیں مجھ سے....." شانزے کی بات پر اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں نے سیریل میں کام کرنے کا بتایا جو نہیں تھا انہیں۔"
"یہ ناراضی تو ان کا حق بنتی ہے' تم بھی تو بے وقوفیاں کرتی پھرتی ہو۔" وہ منہ بنا کر شانزے کے پاس بیٹھ گئی۔
"لیکن اس کے باوجود میں انہیں کال کروں گی تو وہ ہیلپ ضرور کریں گے میری....." وہ مسکرا کر بولی۔

"ظاہری سی بات ہے' ساری دنیا تمہاری طرح بے وفا اور بے مروت تھوڑی ہوتی ہے۔" رباب کے دل جلے انداز پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔ اس نے اپنا سیل فون نکالا اور سرمد کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔



بڑی اماں کے جانے کے بعد اوریدا نیلی کوٹھی میں ہی تھی۔ بوا رحمت نے زبردستی اسے یہیں روک لیا تھا۔ دوسری طرف ارصم کے گھر میں اس کے کزن کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں اور وہ کافی مصروف نظر آتا تھا۔ اس کی یہ مصروفیت' اوریدا کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔
"تم تو ایسے مصروف ہو گئے ہو جیسے تمہاری کزن کی نہیں تمہاری شادی ہو۔" اس دن وہ ان کے پورشن میں آیا تو اوریدا نے جھٹ سے گلہ کر دیا۔ وہ میز پر رات کا کھانا لگا رہی تھی۔ ارصم اس کے چڑنے پر بے ساختہ مسکرایا۔
"اپنی شادی تو میں بہت سادگی سے کروں گا۔" اس نے سلاد کی پلیٹ سے کھیرا اٹھاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"ہاں جیسے آنٹی بینش تو مان ہی جائیں گی۔" اوریدا نے اسے ڈرایا۔
"شادی میری ہے اور اس میں وہی سب کچھ ہو گا جو میں چاہوں گا۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولتا ہوا بینش کے چھکے چھڑا گیا جو اس وقت شادی کارڈ لیے بڑے ابا کو ڈھونڈتی ہوئی ادھر آ نکلی تھیں۔ ان کے خیال کے مطابق تو اوریدا ہاسٹل میں تھی' لیکن اسے سامنے دیکھ کر انہیں ناگواری کا جھٹکا لگا۔
"السلام علیکم بینش آنٹی....." اوریدا نے بوکھلا کر انہیں سلام جھاڑا۔
"تایا ابا کدھر ہیں؟" انہوں نے سلام کا جواب دیے بغیر ناگواری سے پوچھا۔
"اتنے سال ہو گئے بیٹا' کیا ابھی تک نہیں پتا چلا' بڑے صاحب اس وقت مطالعہ کرتے ہیں۔" بوا

رحمت کے طنزیہ انداز پر ان کا چہرہ سرخ ہوا۔
"بہت اچھی طرح سے پتا ہے مجھے' اس لیے بتانے کی ضرورت نہیں۔" وہ چڑ کر بولیں۔
"ممی! کوئی کام تھا کیا بڑے ابا سے۔۔۔" ارصم نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔
"میرے کاموں کو چھوڑو اور ارسلہ کو پارلر لے کر جاؤ' وہ ڈھونڈتی پھر رہی ہے تمہیں۔" انہوں نے ناگواری سے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا۔
"آئی ایم سوری ممی' کوئی اور کام ہے تو بتادیں' یہ خواتین والے کام میں نہیں کر سکتا' آپ ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دیں اسے۔" ارصم کے دوٹوک انداز پر وہ تھوڑا سا جھنجلائیں' لیکن انہوں نے خود پر قابو پا ہی لیا۔
"ٹھیک ہے پھر جونی کے ساتھ جا کر اس کی شاپنگ کروا آؤ۔" انہوں نے ایک اور کام سوچ کر بتایا۔
"وہ تو کب کا جا چکا اپنے فرینڈز کے ساتھ۔۔۔" ارصم ڈائننگ میز کی کرسی پر جم کر بیٹھ گیا۔ بینش کے اعصاب تن گئے۔
"اچھا' میں تایا ابا سے مل کر آرہی ہوں' پھر مجھے اپنی آنٹی صوفیہ کی طرف لے جاؤ' انہیں شادی پر انوائٹ کرنا ہے۔" وہ ہر حال میں اسے یہاں سے ہٹانا چاہتی تھیں اور بڑی مشکل سے ایک معقول بہانہ انہیں سوجھ ہی گیا تھا۔
"ٹھیک ہے آپ بڑے ابا سے مل کر آئیں' میں اتنی دیر میں کھانا کھالوں' سخت بھوک لگی ہے۔" وہ بے تکلفی سے کہتا ہوا کھانا پلیٹ میں نکال چکا تھا۔
"بوا! دو کپ کافی کے تایا ابا کی اسٹڈی میں بھجوادیں۔" انہوں نے بے زار لہجے میں فرمائش کی' کچھ بھی تھا' وہ اپنے بیٹے کو کھانے کی میز سے نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ بوا رحمت سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔
دس منٹ کے بعد انہوں نے ایک چھوٹی ٹرے میں دو کپ رکھ کر اوریدا کے ہاتھ اسٹڈی میں بھجوا دیے۔ وہ بڑے محتاط انداز میں ان کی اسٹڈی کی طرف بڑھی اور جیسے ہی دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا' اندر سے آتی بینش کی بلند آواز نے اس کے قدم روک لیے۔
"بڑے ابا! ارسلہ کے رشتے میں برائی کیا ہے آخر؟ مجھے تو ارصم کے لیے بہت سوٹ ایبل لگ رہی ہے۔" بینش کی بات نے اوریدا کا سارا سکون درہم برہم کر دیا۔
"برائی تو کوئی نہیں ہے' لیکن ارصم کے لیے کوئی اسی کے پروفیشن کی لڑکی ہونی چاہیے۔" وہ محتاط انداز میں گویا ہوئے۔
"رہنے دیں تایا ابا! ڈاکٹر لڑکیاں کہاں گھر سنبھال سکتی ہیں۔" وہ بے مزا ہو کر بولیں۔
"لیکن کچھ عرصہ پہلے تک تو تم ارصم کے لیے کسی ڈاکٹر کی ہی تلاش میں تھیں' اب بیٹھے بٹھائے کیا ہوا؟" بڑے ابا کو حیرانی ہوئی۔
"وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی سوچ اور خیالات بدل بھی تو جاتے ہیں۔" وہ ذرا سی شرمندہ ہوئیں۔
"بہرحال دیکھ لو اور ارصم سے پوچھ لو۔۔۔" انہوں نے محتاط انداز میں مشورہ دیا۔
"ارصم سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے' وہ میرا بیٹا ہے اور وہی کرے گا جو میں چاہوں گی۔" ان کے لہجے سے چھلکتا زعم اور اعتماد بڑے ابا کے زخموں کے کئی ٹانکے ایک ساتھ ادھیڑ گیا۔
"ہاں بھئی! تم اور حماد خوش قسمت ہو' جنہیں اتنی فرمانبردار اور نیک اولاد ملی۔" ان کے لہجے میں کئی حسرتیں ایک ساتھ چھلکیں۔ اس سے زیادہ سننا اوریدا کے لیے مشکل تھا تب ہی وہ ہلکا سا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہوئی' وہ دونوں اسے دیکھ کر دانستہ خاموش ہو گئے۔ اس نے بھی آہستہ سے ٹرے میز پر رکھی اور کمرے سے نکل گئی۔ وہ جیسے ہی ڈائننگ روم میں پہنچی' اس کا دھواں دھواں سا چہرہ ارصم کی زیرک نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔
"کیا ہوا' بڑے ابا نے ڈانٹا ہے کیا؟" ارصم نے بے ساختہ پوچھا۔

"نہیں تو۔" اوریدا نے لاشعوری طور پر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔
"پھر اتنی بوکھلائی ہوئی کیوں ہو؟" وہ کھانا چھوڑ کر جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا' وہ بوکھلا گئی۔ "کیا مصیبت ہے' ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"
"دیکھ رہا ہوں' ایسی کیا بات ہے' جس کی وجہ سے تمہارے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہے؟" اس نے مزے سے کہا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے' تم یہ کباب کھاؤ اور بتاؤ ہاسٹل کب جاؤ گے؟" اوریدا نے بات کا رخ تبدیل کیا۔
"ہوسٹل تو اب شادی کے بعد ہی جاسکوں گا۔ سنڈے کو ولیمہ ہے۔" وہ ایک دفعہ پھر افغانی پلاؤ اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے مزید بولا۔ "تمہارا کب تک ارادہ ہے؟ شادی اٹینڈ کرو گی کیا؟"
"شادی اٹینڈ کرنا تو مشکل ہے' پھر عدینہ کی بار بار کالز آرہی ہیں وہ اکیلی بور ہو رہی ہے ہاسٹل میں۔" اوریدا نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا ذہن ابھی تک بینش آنٹی کی بات میں الجھا ہوا تھا۔
"تو یہ کون سا مشکل ہے' تم عدینہ کو بلوا لو یہاں۔ کچھ دن تمہارے ساتھ رہ لے' صبح اکٹھے چلے جایا کریں گے کالج۔" ارصم نے مفت مشورہ دیا' جسے سن کر وہ ایک دم پرجوش ہو گئی۔
"ارے واہ' یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔"
تھوڑے ہی عرصے میں اسے عدینہ سے خاصی انسیت ہو گئی تھی اور پاکستان آنے کے بعد' وہ واحد لڑکی تھی جس کے ساتھ اس کی دوستی دنوں میں گہری ہوئی تھی۔
"ارے نہیں یار' امی اجازت نہیں دیں گی۔"
اگلے دن کالج میں عدینہ نے اس کی بات سن کر فوراً انکار کیا۔
"تم میری ان سے بات کرواؤ' میں پوچھ لیتی ہوں ان سے۔" اوریدا نے بے چینی سے کہا تو وہ مسکرادی۔
"تم انہیں جانتی نہیں ہو' وہ بہت سخت مزاج خاتون ہیں۔" اس نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔
"تم جیسی نرم مزاج لڑکی کی ماں اتنی سخت ہو ہی نہیں سکتی۔" اسے یقین ہی نہیں آیا۔
"میں جھوٹ نہیں بول رہی اور ہاں یہ تو بتاؤ تم مجھے اپنے گھر کیوں لے جانا چاہتی ہو؟" عدینہ نے مسکرا کر اس کا پرخلوص چہرہ دیکھا۔
"میں بڑے ابا کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی' جیسے ہی بڑی اماں واپس آجائیں گی' ہم دونوں ہاسٹل شفٹ ہو جائیں گے۔" اس کی بات پر عدینہ نے بے توجہی سے سر ہلایا لیکن اوریدا کی اگلی بات نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔
"ہم دونوں سارے مشکل ٹاپک بڑے ابا سے سمجھ لیں گے' وہ ہماری کافی ہیلپ کرسکتے ہیں۔"
"تو' خود تو تم ان سے اتنا ڈرتی ہو اور اب اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسواؤ گی۔" عدینہ اس کے متعلق کافی کچھ جان چکی تھی۔
"اسی لیے تو تمہیں ساتھ لے جانا چاہ رہی ہوں' بڑے ابا کو ذہین لوگ بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔" اس نے ہنس کر بتایا تو وہ بھی مسکرادی۔
"بہت تیز ہو گئی ہو تم۔" عدینہ نے تبصرہ کیا۔
"بس تم اپنی امی کا نمبر ملا کر دو' میں ان سے بات کرتی ہوں۔" عدینہ نے اس کے پرزور اصرار پر صالحہ بیگم کا نمبر ڈائل کر کے سیل اسے پکڑا دیا تھا۔
اور خود کوریڈور کے کونے میں کھڑی اپنی دوسری کلاس فیلو کی طرف بڑھ گئی' اسے یقین تھا کہ صالحہ بیگم کسی صورت نہیں مانیں گی' اور وہ اوریدا کے چہرے پر پھیلی افسردگی سے بچنا چاہتی تھی۔ اوریدا سیل فون کان سے لگائے تھوڑے کم رش والی جگہ پر چلی گئی تھی۔
پندرہ منٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی تو وہ خاصی پرجوش تھی۔
"تو تم خوامخواہ ڈرا رہی تھیں مجھے' تمہاری امی تو اتنی آسانی سے مان گئیں۔" اوریدا کی بات پر اسے خوش گوار حیرت کا جھٹکا لگا۔
"یہ کیسے ممکن ہے؟" اسے بالکل بھی یقین نہیں آیا' تب ہی تو اس نے فوراً ہی آپا صالحہ کا نمبر ملالیا۔ دوسری طرف وہ اپنی آواز سے اسے کچھ نڈھال سی

لگیں۔

"ہاں ہاں میں نے ہی کہا ہے اسے کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے۔ اچھا ہے اس کے دادا سے کچھ پڑھ لو گی تم بھی۔" آپا صالحہ نے اسے مزید حیران کیا۔

"ویسے بھی ان کے گھر میں کون سا کوئی اور بندہ رہتا ہے' صرف دادا اور پوتی ہی تو ہیں۔" آپا صالحہ کو اوریدا کافی معلومات دے چکی تھی۔

"آپا' کیا میں واقعی چلی جاؤں؟" عدینہ نے دوبارہ تصدیق کے لیے پوچھا۔

"ہاں ہاں چلی جاؤ کچھ دن کے لیے' لیکن خیال سے رہنا اور سارا دھیان پڑھائی پر دینا۔" وہ اسے نصیحت کرنا نہیں بھولی تھیں۔

اوریدا کے ساتھ ہاسٹل اور پھر وہاں سے پیکنگ کرتے ہوئے بھی عدینہ کو دھڑکا سا لگا رہا کہ آپا صالحہ ابھی فون کر کے اسے منع کر دیں گی' لیکن ایسا کچھ نہ ہوا اور وہ شام میں اوریدا کے ساتھ نیلی کوٹھی پہنچ گئی۔ اس نے توصیفی نگاہوں سے مارگلہ کی پہاڑیوں کے عین سامنے بنے اس خوب صورت بنگلے کو دیکھا۔ پورچ میں ہی اس کی اور اوریدا کی ڈاکٹر جلال سے سرسری سی ملاقات ہو گئی تھی۔ ارصم بھی ان کے ساتھ تھا' تب ہی بڑے ابا رک گئے تھے۔

"بڑے ابا! یہ عدینہ ہے' اوریدا کی روم میٹ اور فرینڈ' کچھ دن یہیں رہے گی۔" اس نے عجلت بھرے انداز میں تعارف کروایا تو عدینہ نے جھٹ سے انہیں سلام کر دیا' انہوں نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے ایک سرسری نگاہ اوریدا کے ساتھ کھڑی لڑکی پر ڈالی اور چونک گئے۔

"مجھے بہت شوق تھا آپ سے ملنے کا' میں خود بھی بہت اچھی میڈیکل اسپیشلسٹ بننا چاہتی ہوں۔" عدینہ کا پُراعتماد انداز انہیں حیرانی میں مبتلا کر گیا۔

"اللہ آپ کو کامیاب کرے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے اور ڈرائیور نے جیسے ہی گاڑی پورچ سے نکالی' اوریدا کے حلق سے ایک پُرسکون سانس خارج ہوئی۔ گھر میں بوا رحمت نے ان کا استقبال بڑے پُرجوش انداز میں کیا تھا۔ وہ عدینہ کی آمد سے خاصی خوش تھیں۔ بڑی اماں کو گئے ہوئے بیس دن ہو چکے تھے۔ اور سب ہی لوگ ان کی کمی بہت زیادہ محسوس کر رہے تھے۔

"یہ ارصم کی والدہ کچھ عجیب سی نہیں ہیں۔" رات کو اوریدا کے ساتھ لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے عدینہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ رک گئی۔ آج شام میں ہی آنٹی بینش کے ساتھ اس کا بھی ٹاکرا ہو گیا تھا۔ وہ کسی کام سے بڑے ابا کے پاس آئی تھیں اور انہوں نے ٹی وی لاؤنج میں اوریدا کے ساتھ بیٹھی عدینہ کو کوئی لفٹ نہیں کروائی تھی بلکہ اس کے سلام کا جواب بھی لاپروائی سے بس سر ہلا کر دیا تھا اور پھر بڑے ابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"ان کا مزاج خاصا ڈفرنٹ ہے۔" اس نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

"جو لوگ منفی عادات کے حامل ہوتے ہیں ان کے وجود سے ایسی لہریں نکلتی ہیں' جو سامنے والے انسان کو بھی عجیب سا احساس دلاتی ہیں' ان خاتون سے مل کر مجھے ایسے ہی فیل ہوا تھا۔" وہ بے تکلف انداز میں تبصرہ کر رہی تھی۔

"ارصم کے سامنے ایسا کچھ مت کہنا' وہ ہرٹ ہو گا۔" اوریدا نے گھبرا کر کہا۔

"تم نے مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے کیا؟" وہ برا مان گئی۔

"ارے نہیں نہیں' میں تو یونہی کہہ رہی تھی' کبھی کبھی بندہ روانی میں بھی تو کمنٹ پاس کر دیتا ہے۔" اس نے فوراً اپنی بات کی وضاحت کی۔

"ٹینشن مت لو' میں روانی میں بھی سوچ سمجھ کر ہی بات کرتی ہوں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ دونوں واک کر کے اندر آ گئی تھیں اور اب لاؤنج میں اپنی کتابیں کھولے بیٹھی تھیں۔ ایک ٹاپک دونوں کی ہی سمجھ سے باہر تھا۔ بڑے ابا نے لاؤنج میں آتے ہی دونوں کو اپنی کتابوں پر جھکے پایا' وہ اس وقت ٹی وی پر نیوز سننے کے لیے آئے تھے اور اب شش و پنج کا شکار تھے۔

عدینہ کی ان پر نظر پڑی تو اس نے فوراً ہی سلام کر دیا۔

"آپ کوئی وی دیکھنا ہے کیا۔" عدینہ نے جھٹ سے اندازہ لگایا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو فری ہو کر ہمیں ایک ٹاپک سمجھا دیں گے۔" وہ عدینہ کی فرمائش پر حیران ہوئے جبکہ اوریدا ہکا بکا انداز میں اپنی دوست کا چہرہ دیکھ رہی تھی جو بے تکلفی سے بڑے ابا سے مخاطب تھی۔

بڑے ابا نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی چلایا اور خبریں سننے لگے، دس منٹ کے بعد جب وہ دونوں ہی مایوس ہو گئی تھیں، انہوں نے ٹی وی کی آواز بند کر کے کتاب مانگی اور انہیں پڑھانے لگے۔ لاؤنج میں داخل ہوتی بوا رحمت نے یہ منظر خاصی دلچسپی سے دیکھا۔

اوریدا کو پہلی دفعہ پتا چلا تھا کہ بڑے ابا کا پڑھانے کا انداز بہت زبردست تھا، وہ خاموشی سے انہیں سن رہی تھی، جبکہ عدینہ کے سوال و جواب کی وجہ سے پڑھائی کا سیشن خاصا لمبا ہو گیا تھا۔ بڑے ابا کو عدینہ کے سوالات اچھے لگ رہے تھے اور ڈیڑھ گھنٹے کی ڈسکشن کے بعد عدینہ انہیں متاثر کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔

"آپ کی فیملی میں کوئی اس پروفیشن میں ہے کیا؟" بڑے ابا نے اچانک ہی اس سے پوچھا۔

"نہیں، میں اپنے خاندان کی پہلی لڑکی ہوں۔" اس کے فخریہ لہجے پر وہ ہلکا سا مسکرائے۔ ان کے سامنے عدینہ تھی، جو کلاس روم میں اپنے بڑے بڑے پروفیسرز کے چھکے چھڑا دیا کرتی تھی۔

"آپ پیڈز کارڈک سرجری (Pedis cardiac surgery) میں اسپیشلائزیشن کیجیے گا۔" انہوں نے لاؤنج سے اٹھتے ہوئے اسے مشورہ دیا تو وہ مسکرا دی۔

"تھینک یو سر! لیکن میری والدہ کی خواہش ہے کہ میں ایک اچھی میڈیکل اسپیشلسٹ بنوں۔" عدینہ نے اپنی مجبوری بتائی۔

"ایز یو وش، لیکن اس شعبے میں محنتی اور ذہین لوگ کم ہیں، آپ انہیں کنوینس کریں گی تو وہ مان جائیں گی۔" بڑے ابا، اوریدا کو حیران کر رہے تھے۔

"جی ضرور، میں ان کو آپ کی رائے سے ضرور آگاہ کروں گی، مجھے امید ہے وہ مان جائیں گی۔" عدینہ نے خوش گوار لہجے میں انہیں تسلی دی۔

"مائی گاڈ، تم نے بڑے ابا پر کیا پڑھ کر پھونکا تھا، مجھ سے تو انہوں نے کبھی ایسے بات نہیں کی۔" رات کو کمرے میں آتے ہی اوریدا نے کھل کر اپنی حیرانی کا اظہار کیا اور عشاء کی نماز سے فارغ ہوتی عدینہ نے مسکرا کر جائے نماز تہہ کی۔

"تم نے میری امی پر کیا جادو کیا تھا، جو انہوں نے تم پر اعتبار کر کے مجھے یہاں رہنے کی اجازت دے دی۔" اس نے ہنستے ہوئے اسے الٹا جواب کیا۔

"وہ تو محبت کا جادو تھا، جو ہر کسی پر چل جاتا ہے۔" اوریدا نے شوخی سے کہا۔

"کسی کسی پر نہیں بھی چلتا۔" اس نے کندھے اچکا کر اس کی بات سے اختلاف کیا۔

"جن پر محبت کا جادو نہ چلے، ان پر بنگال کا کالا جادو کروا دینا چاہیے۔" اوریدا کھلکھلا کر ہنسی۔ وہ عدینہ کے آنے سے کافی خوش تھی اور اس کا اظہار اس نے بڑی اماں کو انگلینڈ فون کر کے بھی کر دیا تھا۔ تیمور کی حالت کافی سنبھل گئی تھی، لیکن کسی نے بھی اوریدا کے سامنے ان کی بیماری کا ذکر نہیں کیا تھا، وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ بڑی اماں یونہی اس کے پاپا سے ملنے گئی ہیں۔



"اوریدا کے ساتھ کون لڑکی آئی ہوئی ہے" تایا ابا کی طرف۔" رات کو کھانے کے بعد بینش نے ارصم سے پوچھا وہ اس وقت آغا جی کے ساتھ شطرنج کی بازی سجائے بیٹھا تھا۔ جب کہ ان کے مہمان کسی اور رشتے دار سے ملنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔

"اوریدا کی کلاس فیلو ہے۔" ارصم نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"کیا بہت ذہین لڑکی ہے؟" ان کے لہجے میں حسد کی آمیزش شامل ہوئی۔

"آپ کو کس نے بتایا؟" ارصم چونکا' اس کا سارا دھیان اب اپنی ماں کی طرف تھا' جو بے زار سے انداز میں کھڑی تھیں۔
"تایا ابا' بڑی تعریفیں کر رہے تھے۔" انہوں نے بادل ناخواستہ اصل بات بتائی۔
"ہاں میں بھی ملا ہوں' بہت جینئس لڑکی ہے وہ۔" آغا جی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"ایک تو آپ اور تایا ابا' ہرایرے غیرے سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اب ایسے بھی کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے اس میں۔" وہ حسب عادت کسی اور کی تعریف سن کر چڑ گئیں۔
"ممی' وہ واقعی بہت لائق لڑکی ہے۔ میٹرک اور ایف ایس سی میں بورڈ میں ٹاپ کیا تھا اس نے۔" ارصم نے ان کی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔
"سو واٹ؟ تو تم کون سا کسی سے کم ہو۔ پوزیشن تو تمہاری بھی آتی ہے۔" انہوں نے جل کر جواب دیا۔
"تو میں اس کے ساتھ اپنا مقابلہ تھوڑی کر رہا ہوں' آپ کو بتا رہا ہوں۔" ارصم کو ان کے چہرے پر پھیلی بے زاری پریشان کر گئی۔
"بس بس رہنے دو۔ ادھر گئی تو تایا ابا' اس کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے اور ادھر آئی ہوں تو تم شروع ہو گئے۔" وہ ناگوار انداز میں اصل بات اگل گئیں اور ان کی بات سن کر ارصم اور آغا جی دونوں مسکرائے۔
"اب آپ لوگ کیوں مسکرا رہے ہیں۔" ان کی تیوری کے بل گہرے ہوئے۔
"ہم ہنس اس بات پر رہے ہیں کہ تم خود ہی کسی بات پر ہماری رائے پوچھتی ہو اور اوپر سے تمہاری خواہش ہوتی ہے کہ ہم اس پر تمہارا من پسند تبصرہ کریں تو یہ مشکل کام ہم نہیں کر سکتے بھئی' ہمیں معاف دو۔" آغا جی کی بات پر بینش نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیں۔ ان کا مزاج کچھ بہتر ہو چکا تھا۔
"آغا جی' وہ جو میں نے آپ کو کام کہا تھا' آپ نے کیا؟" بینش نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں اشارہ کرتے ہوئے گھما پھرا کر پوچھا۔
"نہیں' ایک دو دن میں کر دوں گا۔" ان کے پُراسرار انداز پر ارصم چونکا۔ "آپ لوگ کس کام کی بات کر رہے ہیں؟"
"کسی کی نہیں' اسپتال کا کوئی مسئلہ ہے۔" بینش نے بوکھلا کر جواب دیا تو ارصم اچھا خاصا مشکوک ہو گیا۔
"آغا جی! میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ ارصم کی کھوجتی نگاہوں سے گھبرا کر لاؤنج سے نکل گئیں۔
"آغا جی' یہ آنکھوں آنکھوں میں کس بات کی طرف اشارے ہو رہے تھے۔" اس نے آغا جی کو گھیرنے کی کوشش کی۔
"لو ہم تو آنکھوں' آنکھوں میں اس لیے اشارے کر رہے تھے کہ تمہیں کانوں کان خبر نہ ہو۔" آغا جی قہقہہ لگا کر ہنسے۔
"دیکھ لیں آغا جی' آپ میرے ساتھ فراڈ کریں گے اب!!" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔
"ایسا ممکن ہے بھلا۔" انہوں نے محبت بھری نگاہوں سے اپنے اکلوتے نواسے کو دیکھا' جو انہیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔
"پھر بتائیں' یہ ممی کن چکروں میں ہیں؟" وہ بے تاب ہوا۔
"تمہارے سر پر سہرا سجانا چاہتی ہے تمہاری ماں....." انہوں نے بھی اسی وقت بات کرنے کی ٹھانی۔
"ابھی میرے میڈیکل کے دو اور ہاؤس جاب کا ایک سال باقی ہے آغا جی۔" ارصم نے منہ بنا کر انہیں یاد دلایا۔
"تو کیا ہوا؟ تم نے کون سا گھر چلانا ہے۔" انہوں نے اس کا اعتراض چٹکی میں اڑایا۔
"گھر نہ سہی' گھر والی کو تو ٹائم دینا ہو گا نا' اتنی ٹف اسٹڈی میں' یہ کیسے ممکن ہے۔" وہ سنجیدہ ہوا۔
"تم ہاں کرو' سب کام ہو جائیں گے۔" وہ لاپروائی

سے گویا ہوئے۔
"یہ ممی کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی؟" وہ تھوڑا سا پریشان ہوا۔
"بھئی تمہاری پھپھو نے اپنی بیٹی ارسلہ کے لیے بات کی ہے ان سے۔" آغا جی نے اس کے سر پر بم پھوڑا۔
"کیا ارسلہ...؟" اسے ایک دم شاک لگا اور وہ بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔ "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آغا جی' صاف منع کردیں انہیں۔"
"تم کیسے انکار کرسکتے ہو بھلا...؟" بینش چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوچکی تھیں۔ اس نے چونک کر ان کے ناراض چہرے کو دیکھا۔ وہ ان کی بات کا مطلب سمجھ نہیں سکا تھا۔
"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں تمہیں لاہور کی بجائے یہیں ایڈمیشن لے دوں تو تم میری ہر بات مانو گے۔" بینش کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ابھری' ارصم کو ایک دم دھچکا سا لگا۔ اسے اپنے الفاظ اچھی طرح یاد تھے۔
"آغا جی! آپ کو یاد ہے نا؟" انہوں نے فوراً پلٹ کر گواہی کے لیے آغا جی کو دیکھا' جو نظریں چرائے بیٹھے تھے۔ ارصم کو ساری دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہوئی' وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بینش اس کے کہے ہوئے لفظوں کے جال میں اسے اس طرح پھنسا دیں گی۔
"لیکن میں ابھی فی الحال شادی افورڈ نہیں کرسکتا۔" اس نے سنبھل کر جواب دیا۔
"اس بات کو کہیں پر لکھ کر رکھ لو' تمہاری شادی جب بھی ہوگی' چاہے دس سال بعد' لیکن ہوگی میری مرضی سے۔" ان کے سفاک لہجے پر وہ تھوڑا سا جھنجلا گیا۔
"لیکن ممی....." اس نے بولنے کی کوشش کی۔
"تم اگر انکار کرو گے تو خود کو ختم کرلوں گی میں۔" انہوں نے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی' ارصم نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا' ان کے چہرے

چٹانوں سے بھی زیادہ سختی تھی۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔



جوں جوں اس کی ڈلیوری کے دن قریب آرہے تھے۔ بختاور کو فطری سی پریشانی لاحق ہوتی جارہی تھی' اس نے بھی عام خواتین کی طرح پوری نمازیں باقاعدگی سے پڑھنا شروع کردی تھیں اور ساتھ ساتھ اللہ سے ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند اولاد کی دعائیں بھی جوش و خروش سے کر رہی تھی۔ اس دن وہ ظہر کی نماز پڑھ رہی تھی جب ہاشم نے فلیٹ کی گھنٹی بجائی' اسے دروازہ کھولنے میں دیر ہوگئی تو وہ اس پر برس پڑا۔
"میں نماز پڑھ رہی تھی...." اس نے شرمندگی سے صفائی پیش کی۔
"ہاں فارغ لوگوں کو اور کام ہی کیا ہوتا ہے...." وہ بیزاری سے کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے سرد لہجے پر وہ پریشان ہوگئی' اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا۔ وہ نماز بالکل نہیں پڑھتا تھا۔ اس نے تو اسے کبھی جمعہ تک پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ اس بات نے اسے الجھن میں مبتلا کردیا تھا۔ اس دن اچانک ہی بختاور کو ہاشم کے بڑے بھائی کی بات نے ایک دم بے چین کردیا۔ اگلے دن اس نے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اپنی واحد دوست نیلم کو کال ملائی۔
"ہاشم کے بڑے بھائی' اس کے متعلق بہت عجیب سی باتیں کررہے تھے۔" اس نے تفصیل سے ساری باتیں بتائی تھیں۔
"ارے یار! ایسا کیسے ممکن ہے' تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" دوسری طرف نیلم بھی اس کی بات سن کر گھبرا گئی تھی۔
"ہاں' دل تو میرا بھی نہیں مانتا لیکن ہاشم آج کل جب اس طرح کی بات کرتا ہے تو دل خراب ہوتا ہے میرا۔" اس نے اپنی الجھن بیان کی۔
"ایسا کچھ نہیں ہے یار! آج کل ینگ جنریشن' ماڈرن بننے کے چکر میں بھی ایسی اوٹ پٹانگ باتیں

کرتی ہے اور بعد میں یہی مرد لمبی لمبی داڑھیاں رکھ کر حج اور عمرے کر کر کے اللہ سے اپنے گناہ بخشوانے چلے جاتے ہیں۔" نیلم نے اس کی پریشانی کو چٹکیوں میں اُڑایا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ناں..." اسے کچھ تسلی ہوئی۔

"ہاں نا اور خبردار ہاشم بھائی سے اس موضوع پر بحث کر کے لڑنا جھگڑنا نہیں۔" نیلم نے اسے پریشان لہجے میں فوراً" ہی نصیحت کی۔

"اور وہ جوان کے بھائی کہہ رہے تھے..." بختاور نے پریشانی سے یاد دلایا۔

"یار! خاندانوں میں سو مسئلے مسائل چل رہے ہوتے ہیں اور بہن بھائی غصے میں کیا کچھ نہیں کہہ دیتے ایک دوسرے کو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"یہ تو واقعی تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" بختاور مطمئن ہو گئی تھی۔

"خوامخواہ ہی اپنا دماغ خراب کر رہی ہو' پتا ہے ناں' ایسی حالت میں اسٹریس لینا بالکل اچھا نہیں ہوتا۔" اس نے پیار بھرے انداز میں ڈانٹا۔

"آئی ایم سوری یار..." وہ شرمندہ ہو گئی۔

"چلو' اب فون بند کرو اور سکون سے جا کر اپنا کام کرو' کال کافی لمبی ہو گئی ہے۔" نیلم سے بات کر کے اس کے دل کا بوجھ کافی ہلکا ہو گیا تھا۔

اس نے جلدی جلدی فون بند کیا اور کچن میں آ کر کھانا گرم کرنے لگی' ہاشم کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ کھانا گرم کر کے فارغ ہوئی تھی کہ فلیٹ کی گھنٹی بج اٹھی' وہ مسکراتی ہوئی دروازہ کھولنے گئی' حسب توقع سامنے ہاشم ہی تھا وہ کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

"السلام علیکم..." بختاور نے جھٹ سے سلام کیا۔

"اعظم بھائی دوبارہ تو نہیں آئے۔" اس نے سلام کا جواب دینے کے بجائے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں' کیا آنا تھا انہوں نے...؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں..." ہاشم سنجیدگی سے کہہ کر لاؤنج میں چلا آیا۔

"آپ نے مجھے ان سے ملوایا ہی نہیں' میں تو انتظار کرتی رہی..." اس نے گلہ کیا۔

"ہاں' وہ صبح کچھ جلدی میں تھے' اس لیے ناشتہ کیے بغیر نکل گئے۔" وہ صوفے پر بیٹھ کر اپنے ماتھے کو مسلنے لگا۔

"کیا ہوا ہاشم؟ سر میں درد ہے آپ کے؟ کوئی ٹینشن ہے کیا؟" وہ فکر مند انداز میں صوفے پر اس کے قریب آ بیٹھی۔

"میری جاب ختم ہو گئی ہے' بختاور..." ہاشم کی بات پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ڈلیوری سے ایک ماہ پہلے جاب ختم ہونے کا مطلب وہ جانتی تھی۔ اوپر سے اللہ نے ایک کے بجائے دو دو ذمے داریاں ان کو سونپ دی تھیں۔

"وہ کیوں...؟" وہ بوکھلا کر بولی' اس کے چہرے پر بھی تشویش کے سائے لہرانے لگے۔

"اسلامیات ڈیپارٹمنٹ کے ایک منحوس بندے سے جھگڑا ہو گیا تھا' وہ پرنسپل کا چہیتا تھا' انہوں نے مجھے اس کی شکایت پر نوکری سے نکال دیا۔" ہاشم کے تلخ لہجے پر وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئی۔

"جھگڑا؟ لیکن کس بات پر...؟" وہ بے چین ہوئی۔

"ایسے ہی فضول میں بحث کیے جا رہا تھا' بات زیادہ بڑھ گئی اور پرنسپل نے ہم دونوں کو بلا لیا۔" اس نے بیزاری سے وضاحت کی۔

"لیکن بات تھی کیا آخر...؟" بختاور نے اصرار کیا۔

"کوئی خاص نہیں تھی' تم چھوڑو اس بات کو' کھانے کے لیے کچھ ہے...؟" ہاشم نے دانستہ بات کا رخ بدلا۔

"ہاں۔" اس کا ذہن بری طرح الجھ گیا' اس لیے اس نے بھی مختصر جواب دیا اور کچن میں آ گئی۔ کھانا ٹرے میں رکھ کر جب وہ باہر نکلی تو وہ اپنے کسی دوست سے پی ٹی سی ایل پر کافی غصے میں بات کر رہا تھا۔ اس

نے گفتگو کے دوران ایک انتہائی قابل اعتراض گالی دی تو بختاور کو شاک لگا۔ اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھ کر اس نے فوراً" خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

"تم کیوں اس طرح میری طرف دیکھ رہی ہو۔" ہاشم نے غور سے اس کا ہراساں چہرہ دیکھا۔

"آپ ایسے گالیاں کیوں دے رہے تھے کسی کو' مجھے سن کر بہت عجیب احساس ہوا۔" اس نے اپنی ناگواری کا صفائی سے اظہار کیا۔

"تو کیا کروں' اس الو کے پٹھے کی وجہ سے اچھی خاصی جاب ہاتھ سے نکل گئی۔" وہ چڑ کر بولا اور سر جھٹک کر کھانا کھانے بیٹھ گیا۔

"تو آپ کو اس سے بحث نہیں کرنی چاہیے تھی ناں۔۔۔" اس نے محتاط انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ ملک رہنے کے قابل ہی نہیں ہے' سارے پاگل' جنونی لوگ بستے ہیں یہاں۔ مجھے امریکہ واپس چلے جانا چاہیے۔" اس کی بات پر بختاور کو کرنٹ سا لگا۔

"آپ کیا پہلے بھی امریکہ رہ کر آئے ہیں۔ آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں۔۔۔" اس کے لیے یہ بڑی حیران کن بات تھی۔

"ہاں ایف ایس سی کے فوراً بعد کچھ سال رہا تھا وہاں' گرین کارڈ بھی ہے میرے پاس۔" اس نے ایک اور حیران کن انکشاف کرکے اسے تعجب میں مبتلا کیا۔

"پھر واپس کیوں آگئے۔۔۔؟" اسے تجسس ہوا۔

"بس ابا جی کی جذباتیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر آگیا تھا' غلطی ہو گئی تھی مجھ سے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھا چھوڑیں' آپ سیٹ مت ہوں' اللہ بہتر کرے گا۔۔۔" بختاور کے تسلی بھرے انداز پر اس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

"ہاں' اس کے نام نہاد بندے دوسروں کا کام بگاڑ کر اپنے خدا کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہیں۔" تلخی اس کے لہجے میں رچی تھی اس کی بات نے بختاور کو پریشان کیا۔

"آپ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں ہاشم۔۔۔؟" اس کو بھی غصہ آیا۔

"دیکھو بختاور! میرا موڈ اس وقت سخت خراب ہے اور میں پہلے ہی جاب ختم ہونے کی وجہ سے ٹینشن میں ہوں' اس لیے تم مجھ سے فضول قسم کی بحث نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔" ہاشم نے ناراضی سے کھانے کی ٹرے پرے کردی' بختاور گھبرا گئی۔

"آپ کھانا تو کھالیں' درمیان میں کیوں چھوڑ دیا۔" اس نے التجائیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا' ہاشم کا یہ روپ اسے خوف زدہ کررہا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے' جاکر ڈسٹ بن میں ڈال دو۔۔" وہ تلخی سے بولا۔

"کیسے ڈسٹ بن میں ڈال دوں' اللہ کو رزق کی بے حرمتی پسند نہیں' گناہ ملتا ہے ایسا کرنے سے۔" وہ اپنے بے ساختہ انداز سے اسے مزید جھنجلاہٹ میں مبتلا کرگئی۔ ہاشم غصے سے اسے گھورتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

"دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور یہ لوگ گناہ ثواب کے چکروں میں پڑے ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں کہہ کر بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

بختاور کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ فکر مند انداز سے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔ ہاشم کے لہجے کی دھمک اسے خوف زدہ کررہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کررہا ہے؟

"میں ہی پاگل ہوں' جو اس کے احساسات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کررہی' ظاہر ہے جاب کا ختم ہونا کوئی معمولی بات تو نہیں۔" اس نے خود کو ڈانٹا اور اپنا ذہن بٹانے کے لیے میز پر رکھے برتن سمیٹنے لگی۔ ابھی اسے جاکر ہاشم کو بھی تسلی دینی تھی۔

آنے والے دنوں کا سورج بختاور کے لیے بے تحاشا پریشانیوں کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا۔ جاب ختم ہونے کی وجہ سے کئی معاشی مسائل منہ کھول کر سامنے آن

کھڑے ہوئے۔ دو دکانوں سے آنے والا معمولی سا کرایہ، بس ان کا کچن ہی چلا رہا تھا اور اوپر سے ڈلیوری کا اچھا خاصا خرچا سر پر تھا۔

ان ہی مسائل کو سوچتے سوچتے بختاور کا دماغ پھٹنے لگتا۔ اپنے والدین کے گھر میں پیسہ اس کے لیے کبھی بھی ایشو نہیں بنا تھا، وہ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی تھی اور ان کے گھر میں پیسوں کی ریل پیل تھی۔ ان چیزوں کا حساب کتاب رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی، لیکن یہاں تو صبح ہونے کے ساتھ ہی وہ جمع تفریق کرنے پر لگ جاتی، ابھی تک اس نے بچوں کے لیے شاپنگ بھی نہیں کی تھی۔ ہاشم خود شدید قسم کے ڈیپریشن کا شکار تھا اور بیروزگاری نے اس کے مزاج پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ وہ بات بات پر اس سے لڑنے لگتا۔ یہ بات بختاور کے لیے اور بھی زیادہ اذیت ناک تھی۔



"اماں! مجھے بینش سے کسی قیمت پر شادی نہیں کرنی۔" وہ ابھی ڈیزی والے حادثے سے نہیں سنبھلی تھیں کہ ایک رات تیمور نے آکر ان کے سر پر دھماکہ کر دیا۔

اس وقت بندیا، تائی اماں کے کمرے کے ساتھ ملحقہ ڈریسنگ روم میں کھڑی ان کے کپڑے پریس کر رہی تھی۔ تیمور کی بات پر اس کا ہاتھ بے خیالی میں گرم گرم استری سے جا لگا۔ اس نے فوراً" جلے ہوئے ہاتھ پر منہ سے پھونکیں مارنا شروع کر دیں۔

"تمہارا باپ گولی مار دے گا تمہیں۔" تائی اماں جو لیٹی ہوئی تھیں، بوکھلا کر بیٹھ گئیں۔ بندیا کا بھی سارا دھیان ان دونوں کی گفتگو کی طرف ہو گیا۔

"اس سے شادی کرنے سے اچھا ہے، بندہ خود زہر کھا کر مر جائے۔" تیمور کا اپنا لہجہ بھی زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا ہے تمہیں، پہلے تو میں بھی راضی نہیں تھی اور پھر بھی تم اپنے بابا کی ہاں میں ہاں ملانے بیٹھ گئے تھے۔" ان کو بھی اپنے بیٹے پر غصہ آیا۔

"آپ کو اچھی طرح پتا ہے، مجھے بینش سے کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی، میں نے صرف بابا کو خوش کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا، کیونکہ ان کی یہی خواہش تھی۔" اس نے سر جھکا کر افسردگی سے جواب دیا۔

"اور وہ پھر بھی خوش نہ ہوئے، الٹا ان کی تم لوگوں سے شکایتیں اور زیادہ بڑھ گئیں۔" انہوں نے منہ بنا کر یاد دلایا۔

"بابا کو بدگمان کرنے میں سو فیصد بینش کا ہاتھ ہے، پتا نہیں وہ چاہتی کیا ہے؟" تیمور کو اس پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔

"مجھے تو ساری زندگی اس کی ماں کے ساتھ رہتے ہوئے اس کی سمجھ میں نہیں آئی، تمہیں اس کی بیٹی کی کیا آئے گی۔" وہ بینش سے خاصی بدگمان تھیں۔

"بہر حال، آپ بابا سے بات کریں، میں اس دفعہ یہ قصہ ختم کر کے جانا چاہتا ہوں۔" وہ حد درجہ بیزار تھا۔

"لیکن ہوا کیا ہے؟ کچھ پتا بھی تو چلے۔" وہ حیران ہوئیں۔

"میں بھلا ایک ایسی لڑکی کے ساتھ کیسے شادی کر سکتا ہوں، جو ہمارے دکھوں پر ہنسے، ہمارا مذاق اڑائے۔ اللہ جانے کون سا ایسا بغض اور نفرت ہے، جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی، میں نے خود اسے ڈیزی اور آپ کے خلاف زہر اگلتے سنا ہے۔" اس نے بھی اندر کی بات بتائی۔

"لیکن تمہارا باپ یہ بات کبھی نہیں مانے گا، ڈیزی نے ان کا مان توڑ کر رکھ دیا ہے۔" وہ افسردہ ہوئیں۔

"بابا مانیں یا نہ مانیں، مجھے اس مینٹل لڑکی سے شادی نہیں کرنی۔ میں اپنی زندگی تباہ کرنا نہیں چاہتا۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

"لیکن تمہارے بابا....." وہ گھبرا گئیں۔

"میں بابا سے خود معافی مانگ لوں گا، لیکن ان سے کہیں، اپنی بھتیجی کے لیے اس کے جیسا ہی کوئی بے حس، سر پھرا بندہ ڈھونڈ لیں۔" تیمور غصے سے کہہ کر ان کے کمرے سے نکل گیا۔ تائی اماں نے دونوں

ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ بندیا ڈرتے ڈرتے باہر نکلی۔

"تائی اماں' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا....؟"

"میری اولاد مجھے کبھی بھی سکھ کا سانس لینے نہیں دے گی' تم نے سنا جو یہ کہہ کر گیا ہے۔" وہ پریشانی سے اس سے مخاطب ہوئیں' بندیا نے جھٹ سے سر ہلا دیا۔

"بیٹا! خدا کے واسطے بینش سے ذکر مت کرنا' ورنہ تیمور کا باپ اسے باہر بھجوانے کے بجائے زبردستی دو بول پڑھوا دے گا راتوں رات' انہیں تو آج کل ویسے ہی بہت غصہ آتا ہے ہر کسی پر۔" انہوں نے بندیا سے التجا کی۔

"تائی اماں' میں نے پہلے کبھی ایسا کیا ہے' جواب کروں گی۔" وہ افسردہ ہوئی۔

"نہیں نہیں بیٹا' تم تو بہت بھلی مانس ہو' تمہاری ماں نے بہت اچھی تربیت کی ہے تمہاری۔" انہوں نے کھلے دل سے اسے سراہا۔

اسی شام کو جب بینش اپنی پڑھائی میں مصروف تھی' تیمور کافی دنوں کے بعد بندیا کے پاس چلا آیا۔ وہ خاصا سنجیدہ سنجیدہ سا تھا۔ بندیا جو چائے کا کپ پکڑے لان کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی' اس نے چونک کر تیمور کو دیکھا۔ اس کی شکل بجھی بجھی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے شاید کئی راتوں کے رتجگے کا اثر تھا۔

"کیسے ہیں آپ....؟" بندیا کو اس کی خاموشی سے الجھن ہوئی۔

"ٹھیک ہوں....." وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

"ڈیزی باجی کا کچھ پتا چلا....؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"پتا ان کا چلایا جاتا ہے جو دنیا کی بھیڑ میں گم ہو جائیں' جو اپنی مرضی سے چلے جائیں' ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔" وہ تلخ لہجے میں بولتا ہوا اسے ساری دنیا سے خفا لگا تھا۔

"ہوں....." بندیا خاموشی سے چائے پینے لگی۔

"مجھ سے شادی کرو گی بندیا....." اس نے اتنا اچانک پوچھا کہ اسے ایک دم کرنٹ لگا اور اس کے ہاتھ میں پکڑے کپ سے گرما گرم چائے چھلک کر اس کے دوسرے ہاتھ پر جا گری۔ اس کے منہ سے نکلنے والی سی کی آواز پر تیمور نے پلٹ کر دیکھا اور بے ساختہ اس کا ہاتھ پکڑا۔ بندیا کو جھٹکا سا لگا' وہ اپنے پینٹ کی جیب سے رومال نکال کر اسے صاف کرنے لگا۔ بندیا کے دل کی دھڑکنیں مرتعش ہوئیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دل میں کوئی بھونچال سا برپا ہو گیا ہو۔

"اٹھو' ذرا میرے ساتھ نل تک چلو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لان میں لگے پانی کے نل کے نیچے لے آیا۔

"سنو' مجھے سوچ کر جواب دینا۔ میں نکاح کر کے جانا چاہتا ہوں تاکہ اگلی دفعہ آؤں تو تمہارے ڈاکومنٹس تیار کرالوں۔ ہم یہاں نہیں انگلینڈ میں رہیں گے۔" وہ کھڑے کھڑے سارے معاملات خود ہی طے کر چکا تھا۔ بندیا نے خوف زدہ نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے بینش لان کی طرف آ رہی تھی۔

"مبارک ہو بندیا! تمہارے بابا کی کال آئی تھی' وہ آغا جی کو بتا رہے تھے کہ انہوں نے تمہاری بات طے کر دی ہے۔ تمہارے چچا کے بیٹے سے۔" وہ بلند آواز میں اعلان کرتی آ رہی تھی' تیمور کو دیکھ کر وہ ایک دم چپ ہوئی۔ وہ کافی دن کے بعد ان کی طرف آیا تھا۔

"ہیلو تیمور! کیسے ہو تم....؟" اس نے اس طرح اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا جیسے ان کے درمیان کچھ بھی نہ ہوا ہو۔

تیمور خاموش رہا۔

"بھئی مبارک باد دو بندیا کو' اس کا رشتہ طے ہو گیا ہے' کسی آفس میں کام کرنے والے ہیڈ کلرک کے ساتھ۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

بندیا کے اندر کوئی چیز چھن کر کے ٹوٹی تھی۔ تیمور نے تاسف بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے پورشن کی طرف بڑھ گیا۔ بندیا کا سارا سکون درہم برہم ہو گیا۔ اپنے چچا کا بیٹا' اسے سخت ناپسند تھا اور چچا اکثر اٹھتے بیٹھتے جب اسے بہو بنانے کا ارادہ ظاہر کرتے تو تب بھی بندیا کو سخت غصہ آ جاتا تھا۔ اب تو اس سے

پوچھے بغیر اس کی بات طے کر دی گئی تھی۔
اس نے اسی شام اپنی والدہ کو فون کیا اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہی جو اسے جھاڑ پڑی 'اگلے دو گھنٹوں تک اس کے کانوں سے دھواں نکلتا رہا۔ دوسری طرف بینش 'دل ہی دل میں تیمور کو منانے کے سنجیدگی سے منصوبے بنا رہی تھی۔



آپا صالحہ کے چہرے پر تفکر کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور وہ بے بس نگاہوں سے اپنے ہاتھوں میں پکڑی رپورٹس دیکھ رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کو یقین نہ آرہا ہو اور وہ کافی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھیں۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ انہیں بڑی آنت کا کینسر ہو چکا ہے 'جو ابھی ابتدائی اسٹیج پر تھا۔
"آپا یہ دوائی کھالیں....." مونا فکر مند انداز میں ان کی میڈیسن والا لفافہ اور پانی کا گلاس اٹھائے اندر داخل ہوئی۔
"سائیڈ میز پر رکھ دو....." وہ ہنوز سنجیدہ تھیں۔
"اچھا ہوا 'میں نے اس دفعہ عدینہ کو گھر آنے سے منع کر دیا۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائیں۔
"میں بھی حیران تھی کہ تم نے اسے اس کی انجان سہیلی کے گھر میں رہنے کی اجازت کیوں دے دی۔" بے بے نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"سنو مونا! عدینہ کو میری رپورٹس کے بارے میں بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" انہوں نے دروازے میں کھڑی مونا کو اچانک مخاطب کیا 'وہ گڑبڑا سی گئی۔
"لیکن آپا....." مونا نے احتجاج کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ آپا صالحہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
"تمہیں جو کہا ہے 'اس پر عمل کرو۔ اس کا پہلا سال ہے۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میرا علاج کروانے چل پڑے گی 'میں نہیں چاہتی 'اس کی پڑھائی کا حرج ہو۔"
"لیکن اس طرح تو تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی پتر 'ڈاکٹر نے کہا ہے 'فوراً" آپریشن کروالو۔"
بے بے نے فکر مند انداز میں انہیں یاد دلایا۔
"میں کچھ عرصہ میڈیسن کھا کر گزارا کرلوں گی 'عدینہ کا خیر خیریت سے پہلا سال گزر جائے۔" انہوں نے فوراً" ہی دل ہی دل میں حساب کتاب کیا۔
"عدینہ باجی بہت سمجھ دار ہیں 'وہ اپنی پڑھائی کو ساتھ ساتھ مینج کرلیں گی۔" مونا نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
"ہونہہ 'رہنے دو تم 'دیکھ رکھی ہے اس کی ذہانت میں نے 'عبداللہ کے مرنے پر پورے دو سال ضائع کیے تھے اس نے۔" آپا صالحہ نے منہ بنا کر یاد دلایا۔
"لیکن بہو 'تم تو الحمد للہ 'ابھی ٹھیک ٹھاک ہو۔ وہ ایسا کیوں کرے گی۔" بے بے کو بھی ان کی منطق اچھی نہیں لگ رہی تھی۔
"بے جی! میں عدینہ کو آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔ اس لیے آپ مہربانی کر کے مجھے وہی کرنے دیں 'جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" آپا صالحہ نے اس دفعہ التجائیہ انداز اپنایا تو مونا اور بے بے دونوں کو ہی چپ لگ گئی۔
رات کو آپا صالحہ نے عدینہ کا نمبر ملایا 'وہ اپنی دوست اوریدا کے گھر میں خاصی خوش تھی 'اس کے لہجے سے بے ساختہ چھلکتی خوشی کو محسوس کر کے وہ تھوڑا پر سکون ہوئیں۔
"اوریدا کے دادا بہت زبردست فزیشن ہیں اور بہت اچھا پڑھاتے ہیں۔ میرے بہت سے کانسیپٹ کلیئر کیے ہیں انہوں نے۔" وہ بڑے پر جوش انداز میں ان کو بتا رہی تھی۔
"اس کی دادی اماں کب آرہی ہیں واپس؟" آپا صالحہ نے یونہی پوچھا۔
"ان کو ابھی کچھ دن لگیں گے 'کیونکہ اوریدا کے فادر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے فوراً" ہی بتایا۔
"چلو اچھا ہے 'تم بھی کچھ دن وہیں رہ لو 'لیکن اپنی اسٹڈی کا حرج نہیں کرنا۔" انہوں نے فون بند کرتے ہوئے حسب عادت اسے نصیحت کی۔
"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" عدینہ نے ان کی

بات کا جواب دینے کے بجائے اچانک پوچھا۔
"میں ٹھیک ہوں۔۔۔" وہ ذرا سا سنبھل کر گویا ہوئیں۔
"ٹمپریچر دوبارہ تو نہیں ہوا؟" عدینہ کے لہجے میں چھپی فکر مندی انہیں اچھی لگی۔
"نہیں۔۔۔" انہوں نے جھوٹ بولا۔
"چلیں نیکسٹ ٹائم آپ میرے ساتھ پنڈی آئیے گا' میں آپ کا چیک اپ اور ریدا کے بڑے ابا سے کرواؤں گی۔" اس کی بات پر وہ مبہم انداز میں مسکرائیں۔
"ہاں ہاں' کیوں نہیں۔۔۔" انہوں نے ایک دفعہ پھر اسے بہلایا۔
"چلیں اپنا بہت زیادہ خیال رکھیے گا' پھر بات کریں گے۔" عدینہ نے سلام دعا کے بعد فون بند کر دیا۔ دوسری طرف آپا صالحہ نے شکر ادا کیا کہ وہ اس ہفتے گھر نہیں آئی تھی ورنہ ان کی حالت دیکھ کر کچھ نہ کچھ اندازہ لگا لیتی۔



ہاشم اس دن ایک جگہ پر انٹرویو دے کر تھکا تھکا سا گھر میں داخل ہوا تو بختاور کو پہلی دفعہ اس پر رحم آیا۔ اس نے کئی جگہ نوکری کے لیے درخواستیں جمع کرائی تھیں' اول تو کسی جگہ سے انٹرویو کے لیے کال ہی نہ آتی اور اگر کوئی بھول کر اسے انٹرویو کے لیے بلا لیتا تو بات اس سے زیادہ نہیں بڑھتی تھی۔ وہ دن بہ دن چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا اور ایک دن پہلے تو وہ اپنی ایک دکان کا کرایہ لینے گیا تو وہاں سے بھی لڑ جھگڑ کر آگیا کیونکہ کرائے دار نے اسے آدھی رقم دے کر باقی پندرہ دن بعد دینے کا وعدہ کیا تھا۔
جوان دونوں کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔
آج کل وہ سارا سارا دن جاب کی تلاش میں مختلف جگہوں پر دھکے کھا کر جب واپس لوٹتا تو کھانا کھا کر سو جاتا' اس کی بختاور کے ساتھ گفتگو بس چند جملوں تک محدود ہو گئی تھی۔ بختاور سارا دن گھر میں اکیلے بیٹھ بیٹھ کر کڑھتی رہتی' اس تنہائی نے اسے اللہ کے اور قریب کر دیا تھا۔ وہ بہت زیادہ مذہبی تو کبھی بھی نہیں رہی تھی لیکن پے در پے پیش آنے والی پریشانیوں کا حل اس نے دعاؤں میں تلاش کرنا شروع کر دیا تھا۔ مختلف اخبارات کے دینی صفحات سے وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر وظیفے نکالتی اور نمازوں کے بعد گھنٹوں تسبیح لے کر بیٹھی رہتی۔
اس دن ہاشم ذرا جلدی گھر آگیا تھا' وہ ایک اخبار سے بچوں کے اچھے اچھے اسلامی نام اپنی ڈائری میں تحریر کر رہی تھی۔ ہاشم کا مزاج آج کچھ بہتر تھا۔ اس لیے وہ اس کے پاس ہی صوفے پر آکر بیٹھ گیا اور سامنے میز پر رکھی اس کی تسبیح اٹھا کر لاپروائی سے انگلی میں گھمانے لگا۔ بختاور کو ناگواری کا احساس ہوا۔
"افوہ تسبیح! ایسے نہیں گھماتے' گر کر ٹوٹ جائے گی۔۔۔"
اس کے سنجیدہ انداز پر اس نے خلاف توقع اس کی بات مان لی اور تسبیح لاپروائی سے دوسرے صوفے پر اچھال دی' اس کا یہ اقدام بھی بختاور کو اچھا نہیں لگا تھا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔
"کیا لکھ رہی ہو۔۔۔؟" وہ تجسس بھرے انداز میں اس کی ڈائری پر جھکا اور اس پر لڑکوں کے اسلامی نام دیکھ کر چونکا۔
"تم تو سارے لڑکوں والے نام لکھ رہی ہو' اگر بیٹیاں ہو گئیں تو۔۔۔؟"
"لڑکیوں کے نام بھی ابھی تلاش کر کے لکھوں گی' پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اللہ مجھے اولاد نرینہ ہی سے نوازے گا۔" وہ ضرورت سے زیادہ پر اعتماد تھی اس لیے اس نے الٹرا ساؤنڈ کروا کر بھی ڈاکٹر سے بچوں کی جنس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔
"اچھا' لیکن نام تو تم نے سارے لڑکوں کے لکھے ہیں۔" وہ پڑھنے لگا' "عمر' ابوبکر' علی' عثمان۔۔۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا اور بیزار لہجے میں گویا ہوا۔
"لیکن میں اپنے بچوں کے نام یہ نہیں رکھوں گا۔" اس نے ڈائری اس کے ہاتھ سے پکڑ کر بے دردی سے ان ناموں کو بال پوائنٹ سے کاٹ دیا۔ بختاور کو

یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل کاٹ کر پھینک دیا ہو۔وہ جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کے ساتھ پرابلم کیا ہے۔ کیوں ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔" غصے کی زیادتی سے اس کا منہ سرخ ہوا۔

"تو کیا میں اپنے بچوں کے نام بھی اپنی پسند سے نہیں رکھ سکتا۔" اس کے نرم لہجے میں میں موجود شکوہ محسوس کرکے اس کے تنتے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔

"آپ اپنی پسند کے نام ضرور رکھیں، لیکن یہ صحابہ کرام کے نام ہیں۔ان ناموں کو برامت کہیں۔" اس کا غصہ ابھی بھی کم نہیں ہوا تھا۔

"اچھا بابا! نہیں کہتا معاف کردو۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ سنجیدگی سے دوبارہ بیٹھ گئی۔

"تمہیں پتا ہے اگر ہمارے ہاں بیٹے ہوئے تو میں ان کا نام کیا رکھوں گا؟" وہ اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے دانستہ مسکرایا۔

"کیا رکھیں گے.....؟" وہ کچھ چپ چپ سی تھی۔

یزدان اور سلمان..... " وہ پراسرار انداز میں مسکرایا۔

"سلمان نام تو چلو ٹھیک ہے، لیکن یزداں سے کیا مراد ہے....." بختاور نے حیرانی سے دریافت کیا۔

"آتش پرست مذہب میں یزداں، نیکی کے خدا کو کہتے ہیں۔" اس نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"تو کیا آپ آتش پرستی پر یقین رکھتے ہیں...." بختاور کا سانس رکا۔

"ہرگز نہیں....." اس کی بات پر بختاور کا سانس بحال ہوا اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے یہ نام اس لیے پسند آیا تھا کہ یہ ان کے نیکی کے خدا کا نام تھا، ورنہ مجھے ان چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"لیکن مجھے تو یہ نام بہت عجیب لگا ہے، میں تو ہرگز نہیں رکھوں گی۔" بختاور نے بھی ناک چڑھا کر کہا تو وہ اس کے اسٹائل پر ہنس پڑا۔

"کیا بدلہ لے رہی ہو....؟" اس نے فوراً ہی مسکرا کر پوچھا۔

"بدلہ کس بات کا؟ مجھے نہیں اچھا لگا تو بس نہیں لگا..."

بختاور کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

"بھئی، میں نے تمہارے منتخب کردہ نام جو مسترد کر دیے تھے، تم نے حساب برابر کر دیا۔" اس کی وضاحت پر وہ حیران ہوئی۔

"ہرگز نہیں، میرے دل میں ایسا کچھ نہیں تھا خیر یہ بتائیں کہ اگر اللہ نے ہمیں دو بیٹیاں دے دیں تو ان کے نام کیا رکھیں گے؟" بختاور نے کچھ سوچ کر پوچھا تو وہ ایک دم چپ کر گیا۔

"بتائیں نا...." بختاور نے ضد کی۔

"مایا اور مونیکا...." اس نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا۔

"لیں، یہ دونوں نام بھی ایک دم فضول ہیں، مایا ہندوؤں کا نام لگتا ہے اور مونیکا کرسچن...." بختاور کی بات پر وہ سنجیدہ ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"تم اتنی زیادہ کنزرویٹو کیوں ہو بختاور، دنیا کی ہر چیز میں مذہب کو لے آتی ہو۔ہمارے لیے اہم انسان ہونا چاہیے اس کا مذہب نہیں۔"

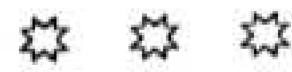
"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن ہم اپنی زندگیوں میں مذہب کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتے...." وہ بحث پر اتر آئی۔

"لیکن مذہب کے پیمانے پر کسی انسان کو پرکھنا، انسانیت کی توہین ہے۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" وہ بھی دوبدو انداز میں بولا۔

"میں کسی مذہب کو برا تو نہیں کہہ رہی، لیکن اسلام ہمیں ایسے نام رکھنے سے منع کرتا ہے۔ ہمیں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔" سنجیدگی اس کے چہرے کے ہر نقش سے عیاں تھی، ہاشم نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا اور مصلحتاً بات کا اختتام کرنے کے لیے بولا۔

"اچھا بابا، تمہیں جو نام پسند ہو، تم رکھ لینا، بات ختم۔"

ہاشم نے اپنی طرف سے بات ختم کردی تھی اور بختاور کا خوش فہم دل ایک دم پرسکون ہو گیا تھا۔ اسے لگا تھا جیسے ہاشم صرف ایک بھٹکا ہوا نوجوان ہے، جسے اس کی توجہ اسلام کی طرف راغب کرسکتی ہے اور وہ دل ہی دل میں اس بات کا تہیہ کر چکی تھی کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی ایک اچھا مسلمان بنانے کی کوشش کرے گی۔ اس نے پانچ وقت کی نماز شروع کر دی تھی اور عافیت رہی کہ ہاشم نے اس کے بعد اسے نہیں ٹوکا تھا۔



"اوریدا! تم مجھے کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہو....." عدینہ نے میڈیکل کی بھاری بھرکم کتاب سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اوریدا کی نظریں سامنے دیوار پر اور دھیان کہیں اور تھا۔ جب کہ گود میں اس نے بھی سلیبس کی کتاب کھول کر رکھی ہوئی تھی۔

"نہیں تو....." وہ ایک دم ہی ہوش کی دنیا میں آئی، خفت اور شرمندگی کا بڑا بھرپور حملہ ہوا تھا اس پر.....

"کوئی پرابلم ہے تو تم مجھ سے شیئر کرسکتی ہو۔" عدینہ نے نرمی سے اس کی طرف دیکھا۔

"نن نہیں تو، میں تو بڑی اماں کی وجہ سے اپ سیٹ تھی، وہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔" اوریدا نے جلدی سے بات بنائی۔

"خیر اصل بات تو کچھ اور ہی ہے، اب تم بتانا نہ چاہو تو الگ بات ہے۔" عدینہ لاپروائی سے کہہ کر اپنی کتاب پر جھک گئی۔ اوریدا اچھی خاصی شرمندہ ہو گئی۔

"وہ اصل میں....." وہ تھوڑا سا اٹکی۔

"اگر کوئی پرسنل بات ہے تو اٹس اوکے اوریدا، میں مائنڈ نہیں کرتی۔" اس نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

"ارصم کی ممی اس کی انگیجمنٹ اس کی کزن ارسلہ کے ساتھ کرنا چاہتی ہیں۔" اوریدا کی آواز مدھم تھی، عدینہ نے بوکھلا کر اس کا افسردہ چہرہ دیکھا۔

"لیکن کیوں؟ کیا ارصم نے ان سے بات نہیں کی؟"

عدینہ اس کے احساسات کو اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔

"کی تھی، لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔" وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو مسلتے ہوئے بولی۔

"ارصم کو اس بات پر اسٹینڈ لینا چاہیے۔" عدینہ نے اپنی کتاب بند کردی، اس کی پڑھائی سے طبیعت ایک دم ہی اچاٹ ہو گئی تھی۔

"تم بینش آنٹی کو نہیں جانتی ہو، وہ جس بات پر اڑ جائیں اس سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہوتیں۔" وہ سر جھکائے افسردگی سے گویا ہوئی۔

"لیکن یہ تمہاری اور ارصم کی زندگی کا معاملہ ہے، وہ ایسے کیسے کر سکتی ہیں؟" عدینہ کو غصہ آگیا۔

"وہ سب کچھ کر سکتی ہیں...." اوریدا مکمل مایوس ہو چکی تھی۔

"کہاں ہے ارصم، میں بات کرتی ہوں اس سے۔" عدینہ کے دوٹوک انداز پر وہ گھبرا اٹھی۔

"آج اس کے کزن کی برات ہے، وہ ان کے ساتھ گیا ہے۔" اوریدا نے جلدی سے بتایا۔

"اسی وجہ سے تم برات کے ساتھ نہیں گئیں۔" عدینہ کی سمجھ میں ساری بات آگئی تھی، وہ پچھلے دو دن سے اسے حد درجہ پریشان اور الجھا ہوا دیکھ رہی تھی لیکن اس کا خیال تھا کہ وہ شاید اپنے پاپا کی وجہ سے پریشان ہے کیونکہ ماہیر نے اسے پاپا کی بیماری کے متعلق بتا دیا تھا۔

"نہیں، برات کے ساتھ تو میں تمہاری وجہ سے نہیں گئی، اور ویسے بھی مجھے اس فنکشن میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" وہ حد درجہ بیزاری کا شکار تھی۔

"چلو اٹھو پھر، کہیں باہر چلتے ہیں، اچھا سا سوپ پی کر آتے ہیں۔" عدینہ نے اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کروانے کے لیے فوراً" پروگرام ترتیب دیا، جسے اوریدا نے بادل نخواستہ مان لیا تھا۔ اب تو اوریدا کی ڈرائیونگ بہت اچھی ہو چکی تھی، وہ دونوں جناح سپر مارکیٹ چلی آئیں۔ موسم اچھا تھا اور گہرے سیاہ بادلوں نے پورے آسمان کو ڈھک رکھا تھا۔ وہ ایک

چائنیز ریسٹورنٹ میں چلی آئیں۔ سوپ پیتے ہوئے وہ ریسٹورنٹ کی گلاس وال سے گرتی بارش کی بوندوں کو دیکھنے لگیں۔ بارش کے تسلسل میں تیزی آگئی تھی۔

عدینہ ہر طریقے سے اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اوریدا کے وجود پر گہری افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ تب ہی وہ اس کی باتوں کے جواب ہوں ہاں میں دے رہی تھی، حتیٰ کہ عدینہ جھنجھلا اٹھی۔

"میں نے کہا نا! سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، تم میری بات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہی ہو۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے، ارصم میرے لیے کیا ہے؟"

"میں نے بھی اس کرب کو بہت عرصہ اپنی ذات پر جھیلا ہے۔" وہ بھی افسردہ ہوئی۔

"تمہیں وہ شخص یاد آتا ہے....." اوریدا نے جھجک کر پوچھا۔

"بھولے گا تو یاد آئے گا نا، اس کی محبت تو خون بن کر میری شریانوں کے ساتھ دوڑتی ہے۔" وہ بے بس انداز میں گویا ہوئی۔

"محبت تو ہے ہی فضول چیز، ہم لڑکیوں کو تو بالکل بھی نہیں کرنی چاہیے۔" اوریدا کو فوراً ہی غصہ آگیا اور وہ ایک دم کھڑی ہو گئی، عدینہ نے حیرانی سے اس کے سامنے پڑے سوپ کے باؤل کو دیکھا، وہ جوں کا توں پڑا تھا۔

"یہ سوپ تو ختم کرو....." وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا، چلو کہیں اور چلتے ہیں، عجیب سی وحشت ہو رہی ہے مجھے اس جگہ سے۔" اوریدا بے چین روح بنی ہوئی تھی، اس نے بھی بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا، دونوں بل ادا کر کے باہر نکل آئیں۔ رات کا وقت تھا اور بارش کی بوندوں میں روانی آچکی تھی۔

"گاڑی تک جاتے جاتے تو ہم اچھے خاصے بھیگ جائیں گے۔" عدینہ نے پریشانی سے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑے منچلے لڑکوں کو دیکھا جو موسم کو انجوائے کر رہے تھے اور اس وقت دلچسپ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے، وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ دونوں اپنی گاڑی تک پہنچنا چاہتی ہیں۔

"چلو ہمت کرو، اب یہیں تو کھڑے نہیں رہ سکتے نا۔" اوریدا نے بیزاری سے کہا اور دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کی طرف دوڑ لگادی، ان کی گاڑی پارکنگ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے سڑک کی دوسرے سائیڈ پر کھڑی تھی۔ سخت سردی میں عدینہ کپکپاتی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی جبکہ اوریدا موسموں کی شدت سے بے نیاز ٹہلتی ہوئی آرہی تھی۔

"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو تیز چلو....." عدینہ نے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے پلٹ کر اوریدا کی طرف دیکھا اور جیسے ہی سیدھی ہوئی، سامنے سے آتے ہوئے نوجوان سے بری طرح ٹکرائی، نوجوان کے ہاتھ میں پکڑا چھاتہ اچھل کر سڑک پر جا گرا۔

"اوہ..... آئی ایم سوری۔" ایک مانوس شناسا لہجہ عدینہ کی سماعت سے ٹکرایا۔ وہ جو ناگواری سے اپنا ماتھا مسل رہی تھی، اسے جھٹکا سا لگا، اس نے تعجب انگیز نگاہوں سے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھا، اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں۔

"عبداللہ....." عدینہ خوف زدہ ہو کر کچھ قدم پیچھے پلٹی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسلام آباد کی کسی سڑک پر تیز بھیگتی بارش اسے اس شخص کے سامنے لا کھڑا کرے گی، جس کی یاد کا پودا وہ ابھی تک اپنے دل سے اکھاڑ نہیں سکی تھی۔

"عدینہ! کیسی ہو....." بارش ان دونوں کے درمیان حائل ہو چکی تھی، وہ ایک دوسرے کے چہرے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"عدینہ! جلدی آؤ....." اوریدا گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ....." عدینہ سکتے کی کیفیت سے باہر نکل آئی تھی، وہ جو سوچتی تھی کہ جب عبداللہ واپس آئے گا تو وہ سب سے پہلے اس سے اپنی بے تحاشا محبت کا اظہار کرے گی لیکن اس

دشمن جاں کو سامنے دیکھ کر اسے اپنی ڈھائی سالوں کی اذیت، تکلیف اور پریشانی یاد آگئی تھی۔ تیز بارش نے اس کا پردہ رکھ لیا تھا۔ وہ ناراض انداز سے پلٹی اور گاڑی کی طرف جانے لگی، وہ بری طرح سے بھیگ چکی تھی۔

"عدینہ! میری بات سنو....." وہ بے تابی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی....." وہ اب فٹ پاتھ پر کھڑی رو رہی تھی۔ "وہیں چلے جائیں، جہاں ڈھائی سال رہے ہیں۔"

"آج سے دو سال، پانچ مہینے اور دس دن پہلے بھی تم نے میری بات نہیں سنی تھی۔ اس کا دکھ آج بھی میرے دل میں تازہ ہے۔" عبداللہ کی آواز میں گلے، شکوے اور بے انتہا اذیت تھی۔ عدینہ کو لگا جیسے زمین نے اس کے پاؤں جکڑ لیے ہوں۔ بارش کے تسلسل میں ایک دم ہی کمی آئی۔ اوریدا جھنجلا کر گاڑی سے باہر نکل آئی اور حیرانی سے ان دونوں کو دیکھ کر سارا معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، جواب اسے کسی حد تک سمجھ آہی گیا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ لوگ اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی نمونیہ کروائیں گے، پلیز، میری گاڑی میں بیٹھ کر سارے گلے شکوے کرلیں۔" اس نے آگے بڑھ کر عدینہ کا بازو پکڑ کر اسے گاڑی میں زبردستی بٹھایا۔ عبداللہ اپنی جگہ پر جما کھڑا تھا۔

"آپ بھی شرافت سے بیٹھ جائیں میری گاڑی میں، کیونکہ میرا موڈ آج بہت خراب ہے۔" اوریدا کے دھمکی آمیز انداز پر وہ مسکرایا۔

"آپ اپنا سیل نمبر مجھے دے دیں، میں کل کسی وقت آپ سے رابطہ کرلوں گا۔"

عبداللہ کے کہنے پر اس نے جلدی سے اپنا سیل نمبر اسے لکھوایا اور خاموشی سے اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ عدینہ کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے اسے رونے دیا کیونکہ بعض دفعہ آنسوؤں کا بہنا بہت ضروری ہوتا ہے، یہ نمکین پانی اگر انسان اپنے اندر ہی جذب کرنے کی کوشش کرے تو یہ پورے وجود میں آگ لگا دیتا ہے۔



اوریدا اور عدینہ دونوں واپس آچکی تھیں۔ عدینہ تو آتے ہی کمبل تان کر سو گئی تھی یا سونے کی اداکاری کرنے لگی جبکہ اوریدا کو نیند نہیں آرہی تھی، وہ باہر نکل آئی۔ برات واپس آچکی تھی۔ اس وقت بینش آنٹی کے پورشن میں خوب ہلہ گلہ ہو رہا تھا۔ تیز میوزک کی آواز کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ اپنی سیاہ شال اوڑھ کر پچھلے صحن کی طرف آگئی۔ بارش رکنے کے بعد اب آسمان صاف ہو چکا تھا..... وہ برآمدے میں پڑے اپنے لکڑی کے مخصوص جھولے پر آکر بیٹھ گئی۔

"اوریدا....." ارصم پچھلی سائیڈ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم کسی بدروح کی طرح ادھر ہی بیٹھی ہوگی۔" وہ بھی مسکراتا ہوا اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"برات واپس آگئی ہے۔" اوریدا نے یونہی بات کا آغاز کرنے کے لیے پوچھا۔

"ہاں آگئی....." ارصم نے بغور اس کا افسردہ چہرہ دیکھا۔

"بڑی اماں اور ماہیر کب آرہے ہیں واپس؟" ارصم کو اچانک یاد آیا۔

"ابھی کچھ پتا نہیں، پاپا کی طبیعت مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئی ابھی....." اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"ناراض ہو مجھ سے.....؟" ارصم نے ہاتھ کی انگلی سے اس کی تھوڑی کو اوپر کیا۔

"نہیں تو....."

"تم ٹینشن مت لو، میں ممی کو منالوں گا۔" اس نے اسے دلاسا دیا۔

"مجھے معلوم ہے، وہ کبھی نہیں مانیں گی۔" اوریدا خاصی حقیقت پسند تھی۔

"انہیں ماننا ہوگا اوریدا....." ارصم ناراض انداز

میں جھولے سے اترا اور اس کے بالکل سامنے آکھڑا ہوا۔

"اگر وہ نہ مانیں تو....؟" اوریدا نے اس دفعہ ہمت کرکے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔

"تو پھر ہم بھی وہی کریں گے جو تیمور انکل نے کیا تھا۔" اس کی بات پر اوریدا کو شاک سا لگا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم....؟" اوریدا کو اپنی سماعت پر شک ہوا۔

"تیمور انکل اور تمہاری ماما نے بھی تو پسند کی شادی کی تھی نا....." وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"اس کا انجام دیکھا ہے تم نے، آج تک بڑے ابا نے معاف نہیں کیا انہیں۔" وہ بھی ناراضی سے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"تو کیا ہوا؟ زندگی تو اپنی پسند سے گزاری نا انہوں نے۔" وہ آج مکمل بغاوت کے موڈ میں تھا۔

"ارصم! یہ کیسے ہو سکتا ہے....." وہ ٹھیک ٹھاک پریشان ہوئی۔

"تو پھر ویسا بالکل نہیں ہو سکتا، جیسا ہم چاہتے ہیں۔ ممی کبھی نہیں مانیں گی، وہ مجھے مرنے کی دھمکیاں دے رہی ہیں۔" ارصم نے تلخ لہجے میں کہا۔

"بے شک نہ مانیں، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔" اوریدا کی بات پر اسے دھچکا لگا۔

"کیا کہا تم نے....؟" وہ ایک دم تپ اٹھا۔

"میں بڑے ابا اور بڑی اماں کو دکھ پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتی، میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں انہیں وہ دکھ دوں جو پاپا نے اور ڈیزی پھپھو نے انہیں دیا تھا۔" اوریدا کا سنجیدہ انداز ارصم کا موڈ ٹھیک ٹھاک خراب کر گیا۔

"تو کیا میں بے وقوف گدھا ہوں، بے حس ہوں، مجھے کسی کا احساس نہیں، میں بھی تو اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں۔" غصے سے اس کی آواز بلند ہوئی۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں ارصم، تم پلیز آنٹی بینش کو منانے کی کوشش کرو۔" اوریدا اس کے ناراض انداز پر بوکھلا گئی۔

"تم سونے کی بھی بن کر آجاؤ گی تو وہ کم از کم تمہارے لیے نہیں مانیں گی۔" ارصم کا سفاک لہجہ اس کی روح تک کو زخمی کر گیا۔

"اسی لیے کہتا ہوں کہ دو سال تک میں ممی کو ٹالتا رہوں گا اور میرا میڈیکل مکمل ہونے کے بعد ہم کوئی اسٹیپ اٹھالیں گے۔" وہ ابھی بھی اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری ارصم، میرا جواب جو آج ہے، وہی دو سال کے بعد ہوگا۔ میں بڑے ابا اور پاپا کی عزت کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔" اوریدا نے بھی دل پر جبر کرکے اپنی بات دہرائی، وہ کچھ لمحے ناراضی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے، میں بھی ممی کو ارسلہ کے لیے ہاں کہنے جا رہا ہوں، تم اب مجھ سے گلہ مت کرنا۔" ارصم نے ایک دم اس پر پہاڑ توڑا تھا، وہ بوکھلا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

جو غصے سے پاؤں پٹختا ہوا ادھر سے جا چکا تھا۔ اوریدا کو اپنا سارا سکون لٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے بڑے ابا نے ان دونوں کی گفتگو کو بقائمی ہوش و حواس سنا تھا، ایک اور زلزلہ ان کے وجود میں برپا ہو چکا تھا۔ انہوں نے افسردہ انداز میں اپنے کمرے کا پردہ برابر کیا۔

☼ ☼ ☼

اس دن صبح ہی سے بختاور کی طبیعت کچھ خراب سی تھی اور احتیاطاً" ہاشم آج گھر میں ہی ٹھہر گیا۔ وہ فکر مندی سے اس کے ارد گرد ہی ٹہل رہا تھا اور دل ہی دل میں آنے والے خرچ کا حساب کتاب کرنے میں مصروف تھا۔ دونوں نے کچھ دن پہلے ہی چھوٹی موٹی شاپنگ کی تھی اور ہاشم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جاب ہوتے ہی اسے بچوں کی ڈھیر ساری چیزیں اور بھی خرید کر دے گا۔

"بختاور! زیادہ کنڈیشن خراب ہو رہی ہے تو میں بھاگ کر ٹیکسی لے آتا ہوں۔" وہ تشویش زدہ نگاہوں

سے اس کا زرد چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"ہاں، لے آؤ..." وہ تکلیف کے زیر اثر اتنا ہی بول سکی۔

ہاشم بڑی سرعت سے سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچا اور اگلے ہی پانچ دس منٹوں میں وہ ٹیکسی لے کر واپس فلیٹ میں آیا۔ بختاور کو سہارا دے کر اس نے بمشکل سیڑھیوں سے اتارا اور اس لمحے دونوں کو ہی اپنے ساتھ کسی بزرگ خاتون کی کمی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ بختاور کی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی اور جیسے ہی وہ سرکاری ہسپتال کے گائنی ڈپارٹمنٹ میں پہنچی، اسے نرسز نے آپریشن تھیٹر میں شفٹ کر دیا تھا۔ یہ لمحات ہاشم کے لیے انتہائی پریشان کن تھے۔ خون کا انتظام کر کے اس نے سب سے پہلے اپنے دوست سرفراز کو کال کی، جو ایک گھنٹے بعد اپنی بیوی کے ساتھ اسپتال پہنچ گیا تھا، اس کی بیوی سرکاری اسپتال میں پھیلی افراتفری اور صفائی کی غیر تسلی بخش حالت کو کوفت بھرے انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"ہاشم بھائی، کیا ضرورت تھی سرکاری ہسپتالوں میں دھکے کھانے کی، مجھے بتاتے، میں ایک اچھے پرائیوٹ اسپتال میں لے جاتی۔" فائزہ بھابھی کی بات پر وہ خفت کا شکار ہوا۔

"بس بھابھی! کچھ حالات ہی ایسے تھے، سرفراز کو پتا تو ہے آج کل میں جاب لیس ہوں..." اس نے شرمندگی سے جواب دیا۔

"تو یار تم مجھے بتاتے، ایسی بھی کیا بات تھی۔ دوست ہی تو دوست کے مشکل وقت میں کام آتے ہیں۔" سرفراز بھائی نے محبت بھرے لہجے میں اسے ڈانٹا۔

"بس یار، مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا..." وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔

"اللہ کرے خیر خیریت ہو، اتنی دیر ہو گئی ہے..." فائزہ بھابھی نے پریشانی میں ہسپتال کے کوریڈور میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ ابھی اندر سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، تفکر کے سائے ہاشم کے چہرے پر بھی نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ دو گھنٹے کے بعد آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور نرس کو دیکھ کر وہ تینوں اس کی طرف لپکے۔ جس کے چہرے کی سنجیدگی انہیں ہراساں کر رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے آپریشن تو ٹھیک ہو گیا، لیکن پیشنٹ کا ایچ بی لیول بہت کم تھا اور ایک بچی کی تو ڈلیوری کے دوران ہی ڈیتھ ہو گئی۔" نرس نے محتاط طریقے سے انہیں اصل صورت حال سے آگاہ کیا۔ ان کے ہاں دونوں بیٹیاں ہوئی تھیں۔

"اور دوسرا بے بی؟" ہاشم بوکھلا کر بولا۔

"دوسری بچی ماشاءاللہ ٹھیک ہے، لیکن بہت کمزور ہے..." نرس کی بات پر ہاشم کے چہرے کی رنگت بحال ہوئی۔

"بہت بہت مبارک ہو یار، اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے تمہیں۔" سرفراز بھائی نے کھلے دل سے مبارک باد دی۔

"تھینک یو سرفراز بھائی..." ہاشم زبردستی مسکرایا۔

اسے بچی کی پیدائش کا سن کر کچھ زیادہ خوشی کا احساس نہیں ہوا تھا، وہ بھی بختاور کی طرح دل ہی دل میں بیٹوں کی آمد کا منتظر تھا لیکن اس نے اپنے دوست اور اس کی بیوی کے سامنے اپنے جذبات پر قابو رکھا۔ بختاور کو وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا اور فائزہ بھابھی بچی کو نہلا کر بختاور کے پاس لائیں تو وہ بے تاب انداز سے اس کے اوپر جھکی۔ بختاور کو اپنے اندر ممتا کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بہتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ محبت بھرے انداز سے بچی کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو چوم رہی تھی۔

"ہاشم دیکھو تو کتنی کیوٹ ہے یہ..." بختاور بے تحاشا خوش تھی اور اس خوشی میں اس نے ہاشم کا بجھا بجھا انداز نوٹ نہیں کیا تھا۔

"ہاں..." اس نے ذرا سا بچی کے گالوں کو چھوا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے یار! شرما کیوں رہے ہو، اپنی بچی کو اٹھا کر

پیار کرو اور اس کے کانوں میں اذان دو۔" سرفراز بھائی کی بات پر اس نے منہ بنایا۔

"ارے چھوڑیں سرفراز بھائی' یہ چونچلے گھر جا کر کر لیں گے۔ ابھی میں کچھ میڈیسن لے آؤں۔" وہ جلدی سے اپنی بات مکمل کر کے دروازے کی جانب بڑھا۔ سرفراز بھائی اور فائزہ بھابھی دونوں کو کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ انہوں نے الجھن بھرے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا' وہ ہاشم کے رویے کو سمجھ نہیں پائے تھے' جبکہ بختاور ان سب سے بے نیاز اپنی بیٹی کی طرف متوجہ تھی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری ہے تمہاری بیٹی۔۔۔" فائزہ بھابھی نے بچی کو پیار کرتے ہوئے ایک ہزار کا نوٹ اسے تھمایا' بختاور شرمندہ ہوئی۔

"ارے بھابھی' اس کی کیا ضرورت ہے۔۔۔" اس نے فوراً" منع کیا۔

"بس بس' یہ مروت دکھانے کی ضرورت نہیں' یہ ہماری گڑیا کا حق ہے' اب آپ لوگوں کے پاس اور کوئی تو نہیں' اس لیے ہمیں ہی رسمیں نبھانے دیں۔" فائزہ بھابھی نے محبت سے اسے ٹوکا تو وہ بھی مسکرا کر خاموش ہو گئی۔

دو دن اسپتال میں رہنے کے بعد وہ گھر شفٹ ہو گئی تھی۔ چھوٹے آپریشن کے بعد بھی ڈاکٹر نے اسے کچھ دن آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن اکیلے ہونے کی وجہ سے ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ بمشکل اٹھ کر گڑیا کے لیے فیڈر بنانے جاتی۔ ہاشم بچی کی پیدائش کے بعد کچھ چپ چپ سا تھا لیکن بختاور نے اپنی مصروفیت میں اس کا یہ انداز نوٹ نہیں کیا تھا۔ بچی کی آمد کے بعد دودھ کا خرچہ اچھا خاصا بڑھ گیا تھا اور یہ بات ان دونوں کے لیے پریشانی کا باعث تھی' لیکن فی الحال اس کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہاشم اپنی نوکری کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا تھا اور بختاور اس کا بھرپور ساتھ دیتی تھی' اس نے ہاشم کی مخالفت کے باوجود بچی کا نام فاطمہ رکھا تھا۔ جب کہ وہ اسے گڑیا کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

"آپ فاطمہ کو اٹھا کر پیار کیوں نہیں کرتے۔۔۔؟" بختاور کو بچی کی پیدائش کے دس دن بعد احساس ہوا کہ ہاشم اسے ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔

"بھئی۔ اتنی چھوٹی بچی ہے' مجھے تو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔" اس نے لاپروائی سے بہانہ بنایا تو وہ مطمئن ہو گئی۔

اسی رات کے کسی پل بختاور کو بچی کے گلے سے خرخر کے ساتھ عجیب سی آوازیں نکلتی ہوئی محسوس ہوئیں' اس نے بوکھلا کر ہاشم کو اٹھایا' وہ بھی فاطمہ کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ دونوں ہانپتے کانپتے بچی کو لے کر قریبی اسپتال میں پہنچے' بچی کا سانس اکھڑ رہا تھا اور اسپتال پہنچنے کے دس منٹ کے بعد ننھی فاطمہ نے بختاور کے ہاتھوں میں دم توڑ دیا۔ دونوں اس اچانک موت پر ہکا بکا رہ گئے۔

ڈاکٹر نے بچی کی موت کی وجہ سانس کی نالی کی الرجی بتایا تھا۔ اسے پیدائشی دمہ تھا اور وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے۔ فاطمہ کی موت نے بختاور کو شدید ذہنی صدمے سے دوچار کیا تھا۔ وہ بالکل ہی حواس باختہ ہو گئی تھی۔ اسے بچی کی موت کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔



وہ ایک عجیب بیزار کن سا دن تھا۔ بڑے ابا آج کافی دن کے بعد اپنے کمرے سے باہر نکلے تھے۔ سب ہی نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا' ان کا حلیہ خاصا ملگجا اور شیو بھی بڑھی ہوئی تھی۔ بڑی اماں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں طیبہ کو اشارہ کیا۔

"بابا! ناشتہ لے کر آؤں آپ کے لیے۔۔۔" وہ ڈرتے ڈرتے ان کے قریب پہنچی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔۔۔" ان کے لہجے میں بے زاری ہی بے زاری تھی۔

"اچھا' صرف چائے بنا دوں۔۔۔؟" شائستہ بیگم نے بھی محتاط انداز میں پوچھا۔

"ہاں بنا دو۔۔۔" وہ لاؤنج کے صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے دائیں بائیں دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"ٹریول ایجنٹ کے پاس گیا ہے' ٹکٹ کا پوچھنے...."

"کب جارہا ہے واپس انگلینڈ....؟" وہ آج خلاف توقع لمبی بات کر رہے تھے۔ شائستہ بیگم نے سکون کا سانس لیا۔

"شاید دس پندرہ دن تک چلا جائے...." وہ کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

"شکر الحمدللہ' بڑے صاحب نے آج اپنے کمرے کی جان چھوڑی...." بوا رحمت فوراً" لپک کر ان کے پاس آئیں اور سرگوشی کے انداز میں گفتگو کرنے لگیں۔

"بوا! آہستہ بولو' کہیں وہ سن ہی نہ لیں...." وہ خوف زدہ انداز میں بولیں۔

"آپ پاس جاکر بیٹھیں نا' یہاں کچن میں کیوں آئی ہیں؟"

"چائے کی فرمائش کر رہے ہیں وہ...." انہوں نے جلدی سے ساس پین میں پانی ڈالا۔

"آپ چھوڑیں چائے کو' میں بنا کر لاتی ہوں...." بوا کی بات پر وہ فوراً" کچن سے نکل آئیں' ڈاکٹر جلال صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے۔

"بینش نہیں آرہی آج کل' خیریت تو ہے نا....؟" انہوں نے اخبار سے نظریں ہٹا کر پوچھا' ان کے اس سوال کو سن کر ان کی بیگم کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"نہیں' آجا تو رہی ہے' آپ ہی اپنا کمرہ بند کیے ہوئے تھے' اس لیے اندر نہیں آئی۔" انہوں نے بادل نخواستہ جواب دیا۔

"آپ نے تو کچھ نہیں کہا اسے....؟" ان کا کڑا لہجہ' شائستہ بیگم کی آدھی جان نکال گیا۔

"حد کرتے ہیں آپ بھی میں کیوں کہوں گی بھلا ایسا؟" وہ برا مان گئیں۔

"سوچ رہا ہوں' اگلی دفعہ تیمور آئے تو اس کی شادی کردوں' یا پھر کم از کم نکاح...." ان کا یہ جملہ تیمور نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے سنا تھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر پوری قوت سے ابھرا۔ شائستہ بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے خاموش رہنے کی التجا کی' جو اس نے خلاف توقع مان بھی لی۔

"ہاں بھئی برخوردار! کیا ارادے ہیں تمہارے؟" انہوں نے طنزیہ نگاہوں سے تیمور کی طرف دیکھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں' آپ بہتر جانتے ہیں...." اس نے گول مول سا جواب دیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

"خیر کہہ تو تم بھی بہت کچھ سکتے ہو' اللہ نے ضرورت سے زیادہ ہی عقل و شعور سے نوازا ہے میری اولاد کو۔" ان کے لہجے میں طنز کی آمیزش محسوس کر کے تیمور نے بیٹھے بیٹھے بے چینی سے پہلو بدلا' لیکن مصلحتاً" خاموش رہا۔ ڈاکٹر جلال خاموشی سے اخبار پڑھنے لگے۔ جب کہ ان کی باتوں نے تیمور کا سارا سکون غارت کردیا تھا۔



"کیا بات ہے اوریدا! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا' جب بڑے ابا کسی کام سے اپنے کمرے سے نکلے تو اسے کارپٹ پر صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا' سامنے ٹی وی چل رہا تھا لیکن اس نے اس کی آواز بند کر رکھی تھی' خود وہ کافی دیر سے قالین کے ڈیزائن کو ازبر کرنے میں مگن تھی۔ اس کے چہرے پر افسردگی کی گہری تہہ تھی۔ ارصم کی باتوں نے اس کے دل و دماغ میں ایک حشر برپا کر رکھا تھا۔

بڑے ابا کی آواز پر وہ اچھل کر کھڑی ہوئی اور بوکھلا کر انہیں دیکھا۔ کئی لمحے تو اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا کہ بڑے ابا نے اسے نرمی سے مخاطب کیا تھا۔ وہ کھوجتی ہوئی نگاہوں سے اوریدا کا چہرہ پڑھنے میں مصروف تھے۔

"کک کچھ نہیں بڑے ابا! ویسے ہی نیند نہیں آرہی تھی۔" وہ اپنی انگلیاں مسلتے ہوئے انہیں خاصی پریشان لگی۔

"تمہاری دوست چلی گئی ہے کیا؟" ان کے اگلے سوال پر اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔

"نہیں' وہ میرے کمرے میں سو رہی ہے۔" وہ ابھی تک بے یقینی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان کے لہجے میں اتنی مروت نرمی تو کبھی بھی اس کے لیے نہیں رہی تھی۔

"چلو' تم بھی جاؤ اپنے کمرے میں اور سونے کی کوشش کرو۔" ان کا نرم لہجہ اسے لحہ لحہ حیران کر رہا تھا' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بڑے ابا کبھی اس سے ایسے بھی مخاطب ہو سکتے ہیں' اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے دو دفعہ اپنی آنکھوں کو بری طرح مسل کر دیکھا' یہ واقعی کوئی خواب نہیں تھا۔

"خدانخواستہ بڑے ابا کی طبیعت تو خراب نہیں تھی۔" اس سوچ نے اسے بے چین کیا۔

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے کھولتے رکی اور پھر کچھ سوچ کر دوبارہ پلٹ گئی' اس کا کمرہ فرسٹ فلور پر تھا۔ وہ جلدی سے لاؤنج کی سیڑھیاں اتر کر کچن کی طرف بڑھی' سامنے بڑے ابا اپنے لیے کافی بنا رہے تھے' اس کے قدموں کی آواز پر وہ پلٹے' اوریدا کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران ہوئے۔

"بڑے ابا! مجھے اچانک خیال آیا' آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" اس نے جھجک کر کہا اور فوراً نظریں جھکالیں۔

"نہیں... بس کافی کی طلب تھی' وہ بنا رہا ہوں۔" وہ اب خاصے سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔

"آپ اپنے کمرے میں چلیں' میں بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا اور خلاف توقع وہ مان گئے تھے۔ انہوں نے منہ سے تو کچھ نہیں کہا لیکن ہاتھ میں پکڑا کافی کا ڈبا شیلف پر رکھ دیا اور خود کچن سے نکل گئے۔

یہ آج کی رات میں اوریدا کے لیے دوسرا خوش گوار جھٹکا تھا' اس کا دل چاہا کہ وہ فوراً ارصم کو کال کر کے اس انہونی کے متعلق بتائے لیکن پھر اچانک یاد آیا کہ وہ اس سے خفا تھا۔ اس سوچ نے ایک دفعہ پھر اسے پریشان کر دیا' رات سے اسی بات نے تو اس کی نیند حرام کر رکھی تھی' اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ ارصم اس کے لیے اتنا بڑا قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔ اس نے سر جھٹک کر اس سوچ کو اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کی اور جلدی سے کافی کپ میں ڈال کر بڑے ابا کے کمرے میں چلی آئی' وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑے تھے جو پچھلے صحن کی جانب کھلتی تھی۔

"بڑے ابا... کافی..." اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا اور کپ سائڈ میز پر رکھ دیا۔

"تھینک یو..." اس دفعہ ان کی بات پر اوریدا کو حیرانی نہیں ہوئی۔ وہ آہستہ سے ان کے کمرے سے نکل آئی اور خاموشی سے اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی۔ اوریدا نیند میں بھی بے چین تھی اور بار بار کروٹیں بدل رہی تھی۔

"کون تھا وہ شخص' جس کی طرف دیکھ کر یہ اتنی زیادہ جذباتی ہو گئی۔" اپنی پریشانی سے اس کا دھیان ہٹا تو اس نے عدینہ کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔

"کہیں یہ وہی شخص تو نہیں تھا' جس سے وہ محبت کرتی تھی۔" اس کے ذہن میں خیال ابھرا تھا۔

"لیکن وہ شخص تو مر گیا تھا۔" ایک اور سوچ نے اس کا دامن پکڑا۔

"ہو سکتا ہے' عدینہ نے مجھ سے جھوٹ بولا ہو اور وہ شخص زندہ ہو۔" اس نے ایک اور اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

تب ہی اس کے سیل فون کی ٹیکسٹ ٹون بجی' اس کا دل بے اختیار دھڑکا' اسے یقین تھا کہ یہ ارصم کی

طرف سے سوری کا میسج ہو گا لیکن جیسے ہی اس نے ان باکس کھولا ' اسے چار سو بیس والٹ کا جھٹکا لگا' دوسری طرف سرمد بھائی کا میسج تھا۔

"بڑی اماں نے تیمور ماموں سے تمہارے اور میرے پروپوزل کی بات کی ہے' تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

یہ ٹیکسٹ پڑھتے ہی اس کا دماغ بھک کر کے اڑا۔ ساری پریشان کن خبریں اسے آج ہی کی تاریخ میں مل رہی تھیں۔ ساری رات اس کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے گزری' وہ کوئی ایک سو ایک دفعہ سرمد کا میسج پڑھ چکی تھی' اسے ابھی تک اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بھلا ایسے کیسے ممکن ہے۔ اس نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی ماہیر سے بات کرے گی اور صاف انکار کر دے گی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح اتوار تھا وہ دونوں ناشتے سے فارغ ہوئیں تو دن کے دس بجے کے قریب اوریدا کے نمبر پر عبداللہ کی کال آگئی۔ وہ عدینہ سے ملنے کے لیے آنا چاہتا تھا۔ اوریدا نے کن اکھیوں سے اپنے سامنے اخبار پڑھتی عدینہ کی طرف دیکھا۔

"وہ تم سے ملنے کے لیے آنا چاہتا ہے۔" اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

"اس سے کہہ دو' پچھلے ڈھائی سال وہ جہاں تھا' وہیں رہے' مجھے اب اس کی ضرورت نہیں۔" عدینہ نے بے رخی کی انتہا کر دی۔ اپنی بات کر کے وہ ایک دم اٹھی اور گھر کے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ فون کے دوسری جانب موجود عبداللہ نے اس کا یہ جملہ بخوبی سنا تھا۔

"ایم سوری' اس کی آج طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔" اوریدا نے شرمندگی سے کہا۔

"اٹس اوکے' میں جانتا ہوں' وہ مجھ سے خفا ہے اور اسے خفا ہونا بھی چاہیے۔" دوسری جانب وہ اس کو حق بجانب سمجھتے ہوئے مسکرایا۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو مجھے بتائیں گے کہ اصل معاملہ کیا ہے؟" اوریدا کو تجسس ہوا۔

"وہ آپ کی بہت اچھی فرینڈ لگتی ہیں' کیا انہوں نے نہیں بتایا آپ کو؟" دوسری طرف موجود عبداللہ کو حیرانی ہوئی۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اس کی بہت اچھی دوست ہوں۔" اوریدا کو اس سے گفتگو میں مزہ آنے لگا۔

"اس لیے کہ عدینہ کی والدہ آپا صالحہ اسے کسی قیمت پر بھی کسی انجان دوست کے ہاں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔" اس کی صاف گوئی متاثر کن تھی۔

"آپ عدینہ کی والدہ کو بھی جانتے ہیں؟" وہ مزید حیران ہوئی۔

"کیا مطلب؟ ہمارا سارا بچپن ایک ہی علاقے میں گزرا ہے اور میں عدینہ کی والدہ کا دینی مدرسہ چلاتا تھا۔" عبداللہ نے ایک اور انکشاف کیا۔

"اوہ۔۔۔" اوریدا کو کچھ کچھ معاملہ سمجھ میں آنے لگا۔

"لیکن میں نے تو سنا تھا کہ آپ کی۔۔۔" اوریدا جھجک کر رکی' وہ بھلا کیسے کسی کے منہ پر اس کے مرنے کی بات کر سکتی تھی۔

"یہی سنا ہو گا کہ میری ایر کریش میں ڈیتھ ہو گئی؟" اس نے جلدی سے بات مکمل کی۔

"ایر کریش کا تو نہیں پتا لیکن ڈیتھ کا ضرور پتا تھا' آپ پلیز مجھے ساری بات بتائیں' پھر ہی میں کوئی آپ کی ہیلپ کر سکوں گی۔"

اسے بہت زیادہ تجسس ہونے لگا۔ عبداللہ افسردگی سے اسے سارا قصہ سنانے لگا۔ جسے سنتے ہی اوریدا کو اپنی ساری پریشانی' دکھ اور غم بھول گئے تھے' وہ بس منہ کھولے حیرانی سے اس شخص کی باتیں سن رہی تھی' جو لمحہ لمحہ اسے حیران کر رہا تھا۔ محبت کی ایسی داستان بھلا اس نے پہلے کب سنی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آملیٹ میں اتنا زیادہ نمک کیوں ڈالا ہے؟" ارصم ناشتے کی میز پر ایک دم ملازمہ پر برس پڑا۔ بینش کے ساتھ ساتھ آغاجی نے بھی حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ گھر میں شادی کے فنکشن ختم ہو چکے تھے اور اب ارصم کی پھپھو کی دو تین دن کے بعد واپسی تھی، اس وقت سب ہی لوگ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔

"تم فرائی انڈا لے لو..." بینش نے اپنی نند کی موجودگی میں ذرا دھیمے انداز میں کہا۔

"آپ کو اچھی طرح پتا ہے، میں فرائی انڈہ نہیں کھاتا۔" وہ ایک دم کرسی پیچھے کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور غصے سے ڈائننگ روم سے نکل گیا۔ ارسلہ اور اس کی ممی نے حیرانی سے بینش کی طرف دیکھا جو ارصم کی اس حرکت پر شرمندہ سی دکھائی دے رہی تھیں۔

"بیٹا... جب آپ کو پتا ہے، رات سے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ کو خود خیال کرنا چاہیے تھا۔" آغاجی نے بینش کی شرمندگی کم کرنے کے لیے بات بنائی۔ بینش کے تنے ہوئے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے۔

"آئی ایم سوری آغاجی... مجھے صبح دھیان ہی نہیں رہا، **ایکچوئلی** اسے میرے ہاتھ کے کھانوں کی عادت پڑ چکی ہے۔" انہوں نے بات سنبھالنے کی کوشش کی جو انہیں خاصی مہنگی پڑی۔

"معاف کیجیے گا بینش بھابھی! آپ نے ارصم کو خاصی غلط قسم کی عادتیں ڈال رکھی ہیں، کل کو اسے آپ کے بغیر رہنا پڑ گیا تو کیسے گزارا کرے گا وہ۔" ان کی نند **عمیرہ** کا تیکھا لہجہ ان کا دل جلا گیا۔ انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"میرے بغیر...؟" وہ بے ساختہ بولیں۔ "اللہ نہ کرے، ارصم کو میرے بغیر کہیں رہنا پڑے، میں تو ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی۔"

"کچھ عرصہ کے لیے تو رہنا پڑے گا، ظاہر ہے وہ آسٹریلیا جائے گا تو تب ہی آپ کو بلا سکے گا۔" ان کی بات نے بینش کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجا دی، آغاجی نے طنزیہ نگاہوں سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا جو اس بات کو سن کر کچھ مضطرب دکھائی دے رہی تھیں۔

"تب کی تب دیکھی جائے گی، آپ لوگ ناشتا تو کریں نا، میں ذرا جنید اور دلہن کے لیے ناشتے کا کہہ کر آؤں۔" وہ بہانے سے اٹھیں اور کچن میں ملازمہ کو ہدایات دے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ آئیں، جہاں آغاجی پہلے سے موجود تھے۔

"اپنی نند کے ارادے دیکھ لیے نا؟" ان کی جتاتی ہوئی نگاہوں سے وہ ہلکا سا خائف ہوئیں۔

"میں بات کروں گی اس سے، ارصم کہیں نہیں جائے گا۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"لیکن اس کی بیٹی پاکستان میں بھی نہیں رہ سکتی، دیکھا نہیں صبح و شام یہاں کی چیزوں پر تنقید کرتی ہے وہ۔" آغاجی کی صاف گوئی ہضم کرنا آسان نہیں تھا اور یہ مشکل کام بینش نے بھی مشکل ہی سے کیا تھا۔

"شادی کے بعد بچیوں کے مزاج بدل جاتے ہیں اور وہ وہیں رہتی ہیں جہاں ان کا شوہر انہیں رکھتا ہے۔" انہوں نے محتاط انداز میں انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"وہ مشرقی بچیاں ہوتی ہیں، جن کی تربیت یہاں کے ماحول میں ہوئی ہوتی ہے۔" آغاجی نے بھی آج ان کی کسی بھی بات سے متفق نہ ہونے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"آغاجی... آپ خوامخواہ خود کو اور مجھے پریشان کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔" وہ چڑ گئیں۔

"وقت پر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، جب چیزیں ابھی سے دکھائی دے رہی ہیں۔" انہوں نے بھی بے زاری کا برملا اظہار کیا۔

"فی الحال تو میں جا کر اس ارصم کو دیکھوں، ناشتے کی میز پر اتنی زیادہ بدتمیزی کر کے گیا ہے۔" وہ تیر کی طرح کمرے سے نکلیں اور ارصم کے کمرے میں جا کر ہی دم لیا لیکن خالی کمرہ ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ جھنجلا کر باہر نکلیں اور ملازمہ سے پوچھا۔

"وہ تو ابھی ابھی اپنے ہاسٹل کے لیے نکلے ہیں۔"

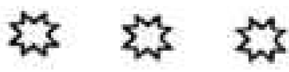
ملازمہ کی بات پر انہیں شاک لگا۔
"ہاسٹل کے لیے لیکن مجھ سے ملے بغیر کیسے جاسکتا ہے وہ۔" ان کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔
"پتا نہیں جی، بہت غصے میں گئے ہیں وہ، مجھے بھی خوامخواہ ڈانٹ دیا تھا۔" ملازمہ نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔
"اچھا پیچھے ہٹو، راستے میں دیوار چین بن کر کھڑی ہوگئی ہو۔" انہوں نے اپنی جھنجلاہٹ ملازمہ پر اتاری، جو گھبرا کر کوریڈور کے ایک طرف ہوگئی تھی۔
"بینش آنٹی! ذرا ارصم کے کام دیکھیں، میں نے اتنا منع کیا، وہ پھر بھی ہاسٹل چلا گیا۔" وہ جیسے ہی لاؤنج میں پہنچیں تو ارسلہ منہ بنائے وہاں بیٹھی تھی۔ اس کی والدہ کا مزاج بھی کچھ برہم لگ رہا تھا۔
"ہاں اس نے بتایا تھا مجھے، اس کا کوئی اہم ٹیسٹ تھا۔" انہوں نے فوراً ہی بات بنائی۔
"یہ ٹیسٹ تو ہوتے ہی رہتے ہیں، اب جاکر تو شادی کے ہنگاموں سے فرصت ملی تھی سوچا تھا ارسلہ اور وہ ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھ لیں گے لیکن وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار نکل گیا۔" ان کی نند کو بھی برا لگا تھا اور انہوں نے فوراً ہی اس کا اظہار کر دیا۔
"عمیرہ! تم کیوں ٹینشن لے رہی ہو، آجائے گا ایک دو دن میں۔" بینش نے زبردستی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ خود بھی ارصم کے رویے پر بری طرح الجھی ہوئی تھیں۔ وہ تو ان کا بہت ٹھنڈے مزاج کا بچہ تھا، جو آج کل آتش فشاں بنا گھوم رہا تھا۔
"بھئی۔ جلدی بلوا لینا اسے، میں جانے سے پہلے ارصم اور ارسلہ کی منگنی کا فنکشن کر کے جانا چاہتی ہوں۔" عمیرہ نے انہیں اپنا پروگرام بتایا۔
"ہاں۔۔۔ ہاں کیوں نہیں۔۔۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر دل ہی دل میں سوچنے لگیں کہ انہیں ارصم کو کس طرح دوبارہ گھر واپس بلوانا ہے اور اس کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی، جو انہیں فوراً ہی سمجھ میں آگئی تھی۔ ان کے چہرے پر ایک پُراسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔



شانزے کے ساتھ ناراضی کے باوجود سرمد نے اسے اپنے ایک دوست کا فلیٹ کرائے پر لے دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ زبردستی رباب کو بھی وہیں لے آئی تھی اور یہاں آنے کے بعد اس کی زندگی میں کافی خوش گوار تبدیلی آئی تھی، دو کمروں کا کھلا اور کشادہ سا فلیٹ دونوں کو بہت پسند آیا تھا۔ اسے اپنے پہلے سیریل کا ٹھیک ٹھاک معاوضہ ملا تھا۔ جس سے اس نے اپنا فلیٹ سیٹ کر لیا تھا۔ رباب کا آخری سمسٹر چل رہا تھا اور وہ اس کی وجہ سے خاصی فکرمند رہتی تھی۔ رباب کا تعلق گوجرانوالہ سے تھا اور اسے اپنا امتحان دے کر یہاں سے چلے جانا تھا۔
"تم کیوں میری ٹینشن لے رہی ہو یار۔" شانزے اس کے ساتھ کچن میں کھڑی بحث کر رہی تھی۔
"میرے جانے کے بعد تم اکیلی اس فلیٹ میں کیسے رہوگی؟" اس نے چاولوں کو دم لگاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔
"اللہ کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا۔" پہلے سیریل نے اسے کافی اعتماد دے دیا تھا۔ اس کا ڈراما آن ایئر آنے والا تھا اور شہر بھر میں اس کے بڑے بڑے بل بورڈز لگ چکے تھے، جس پر شانزے کا خوب صورت دلکش چہرہ سجا ہوا تھا۔
"ایک بات کہوں رباب! اگر تم برا نہ مانو تو؟" وہ پُراسرار انداز میں مسکرائی۔
"ہاں بولو۔۔۔" رباب نے سلاد بنانے کے لیے کھیرا کاٹتے ہوئے کہا۔
"میں اکثر سوچتی ہوں، کاش تمہاری شادی سرمد بھائی کے ساتھ ہوجائے۔" شانزے کے شرارتی انداز پر اس نے اسے گھور کر دیکھا۔
"تمہارے سرمد بھائی اپنی کسی کزن کو پسند کرتے ہیں، یہ تم نے ہی بتایا تھا مجھے۔" رباب نے منہ بنا کر یاد دلایا۔
"تو وہ کون سا گھاس ڈالتی ہے انہیں۔۔۔" وہ کھیرے

کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے زور سے ہنسی۔
"ہاں جس کو کوئی نہیں گھاس ڈالتا' اسے میں اپنے سر کا تاج بنالوں۔ اتنی فالتو ہوں میں....." رباب نے بھی اس کی بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔
"تم مان جاؤ' انہیں منانا میرا کام۔" شانزے نے شوخ لہجے میں اسے دوبارہ چھیڑا۔
"شانزے! باز آجاؤ اور اپنی خیر مناؤ' تمہارا ہیرو بھی آنے والا ہے پاکستان اور اس کے عتاب سے تمہیں تمہارا بھائی بھی نہیں بچا سکے گا۔" رباب نے اسے ڈراوا دیا۔
"اللہ مالک ہے یار' سوچ رہی ہوں اس کے آنے سے پہلے ایک آدھ سیریل اور کرلوں' اکٹھے ہی ڈانٹ سن لوں گی۔" شانزے کی بات پر رباب نے جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا۔
"شرم کرو' اچھے خاصے انسان کو ہرٹ کررہی ہو۔" اس نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"بس ایک دفعہ گاڑی خریدلوں' پھر چھوڑ دوں گی۔" شانزے کے پاس بہانہ تیار تھا۔
"گاڑی تو تم ویسے بھی خرید سکتی ہو' اپنے بابا کی لاہور والی پراپرٹی میں سے کچھ سیل کردو۔" اس نے اسے مفت مشورہ دیا۔
"اس پراپرٹی پر تو خدیجہ پھپھو سانپ بن کر بیٹھی ہیں' ان کا کہنا ہے وہ شادی کے بعد میرے کام آئے گی۔" اس نے منہ بنا کر بتایا۔
"ہاں کہتی تو وہ ٹھیک ہیں۔" رباب فوراً" ہی متفق ہوئی۔
"سوچ رہی ہوں ایک آدھ چکر لاہور کا بھی لگا آؤں' پھپھو کئی دفعہ فون کرچکی ہیں۔" شانزے کو اچانک یاد آیا۔
"شانزے! ایک بات کہوں' برا مت ماننا' اس دفعہ جاؤ تو اپنی پھپھو سے اپنی مدر کے بارے میں ضرور پوچھنا۔" رباب کی بات پر ایک تاریک سا سایہ شانزے کے چہرے پر دوڑا۔ ہر دفعہ یہ موضوع اس کا دل دکھانے کا موجب بنتا تھا۔

"جب انہوں نے کبھی مڑ کر ایک دفعہ بھی میرا نہیں پوچھا تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔"
وہ ناراضی سے کہہ کر کچن سے نکل گئی۔ رباب کو افسوس ہوا کہ اس نے خوامخواہ اسے رنجیدہ کردیا' وہ فوراً" سلاد بنا کر اس کے پیچھے گئی' تاکہ اس سے معذرت کرسکے۔



"آخر تم عبداللہ بھائی سے ملنا کیوں نہیں چاہتی ہو؟" اوریدا نے آج کالج میں اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ گھر میں تو وہ سارا وقت بڑے ابا سے میڈیکل کے مختلف موضوعات پر بحث کرتی' اسے بھی ان کی طرح میڈیکل سے عشق ہوگیا تھا۔ بڑے ابا اب اس کی وجہ سے اوریدا سے بھی بے تکلفی سے بات کرنے لگے تھے۔
"میں تم سے مخاطب ہوں عدینہ....." اوریدا نے اس کی خاموشی پر جھنجلا کر کہا۔
"مجھے اب عبداللہ کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ اس کی اس بات پر اوریدا کو دھچکا لگا۔
"ڈھائی سال تم جس شخص کے لیے دن رات روتی رہی ہو' اب وہ سامنے آگیا ہے تو تب بھی تمہارا رونا نہیں ختم ہورہا۔" اوریدا کو اس پر غصہ آیا۔
"ڈھائی سال میں اس کی ناراضی اور موت پر روتی رہی اور اب اپنی بے قدری پر رونا آتا ہے مجھے۔" اس کے لہجے میں کیا کچھ نہیں تھا' ناراضی' بے وقعتی اور اپنی انا کو ٹھیس پہنچنے کا دکھ..... اوریدا ایک لمحے کے لیے چپ ہوگئی۔
"تم ان سے ایک دفعہ بات کرکے تو دیکھو' ان کے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہے۔" وہ ہلکے سے توقف کے بعد بولی۔
"لیکن اب مجھے اس کے کسی جواب کی ضرورت نہیں۔ وہ اتفاقاً" مجھ سے ملا ہے۔ خود سے ڈھونڈتا ہوا تو نہیں آیا میرے پاس۔ کیا میرا ایڈریس' آپا کا فون نمبر

اور گاؤں میں میرے گھر کا راستہ نہیں آتا تھا اسے؟"
عدینہ کے پاس پوری چارج شیٹ تیار تھی۔

"ہو سکتا ہے' وہ بھی خفا ہو' اسی وجہ سے نہ آیا ہو۔" اوریدا نے اس کا دفاع کیا۔

"ایسی کون سی ناراضی تھی' جس میں اس شخص نے ایک دفعہ بھی مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ زندہ ہے' وہ مجھ سے خفا رہتا' لیکن مجھے اس اذیت میں جلنے کے لیے اکیلا تو نہ چھوڑتا۔" اس کا لہجہ نم ہوا۔

"ہاں۔ یہ تو واقعی غلط کیا انہوں نے۔۔۔" وہ بھی متفق ہوئی۔

"اب بھی اتفاقاً" وہ مجھ سے ٹکرایا تھا' اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا ساری زندگی وہ مجھے نہ بتاتا کہ وہ زندہ ہے؟" عدینہ نے اسے لاجواب کیا۔

"اچھا۔۔۔ اب تم مجھے تو بتاؤ' میں کیا کہوں؟ وہ بار بار فون کر رہا ہے مجھے۔" اس نے اپنا مسئلہ بتایا۔

"کہہ دینا' مر گئی ہے عدینہ' اس کی مغفرت کے لیے دعا کرے اور بھول جائے اسے۔" وہ بے لچک لہجے میں گویا ہوئی۔

"یار! کچھ تو گنجائش نکالو۔ محبت کا دامن تو بہت وسیع ہوتا ہے۔" اوریدا نے آخری دفعہ اصرار کیا۔

"محبت کا دامن دنیا کے سب رشتوں سے زیادہ وسیع ہوتا ہے لیکن اس کے پندار کو ٹھیس پہنچے تو اس رشتے میں پھر ایک نقطے کی بھی گنجائش نہیں نکلتی۔"
اس کے چہرے پر عجیب سی سختی آگئی تھی' اوریدا نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"تم بتاؤ' ارصم سے بات ہوئی تمہاری۔۔۔؟" عدینہ نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔ وہ مجھ سے خفا ہے' کالج میں بھی صبح سامنا ہوا تھا لیکن وہ اگنور کر کے دوسری سائیڈ پر چلا گیا۔" وہ افسردگی سے بتانے لگی۔

"ہر انسان اپنے ذاتی معاملات میں اتنا ہی جذباتی اور امیچور ہو جاتا ہے۔" اوریدا سنجیدہ ہوئی۔

"لیکن اس کی ممی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے' اس طرح تو وہ اپنے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔" عدینہ پریشان ہوئی۔

"انہیں اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسا ہے' انہوں نے زندگی کے کسی مقام پر شکست نہیں کھائی۔" اس نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"خیر ایسا تو نہ کہو' زندگی میں اتنے بے رحم فیصلے کرنے والا' خود بھی کسی نہ کسی مقام پر بدترین شکست کا شکار ہو چکا ہوتا ہے' تب ہی تو ایسا ہو جاتا ہے۔" عدینہ نے کہا۔

"تمہیں پتا ہے ماضی میں ارصم کی ممی کی' میرے پاپا کے ساتھ انگیجمنٹ ہوئی تھی لیکن پاپا نے میری ماما کو پسند کر لیا۔" اوریدا زبردستی مسکراتے ہوئے بولی۔

"دیکھا' کوئی نہ کوئی بات تو نکل آئی نا۔" عدینہ اپنے اندازے کی درستی پر مسکرائی۔

"بہرحال تم ارصم کو سمجھاؤ کہ ایسے فیصلے کرنے کے بجائے کسی طرح اپنی ممی کو سمجھانے کی کوشش کرے۔" عدینہ کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلایا' لیکن دل ہی دل میں اسے پہلے سے ہی معلوم تھا کہ بینش کو سمجھانا دنیا کا ناممکن کام ہے۔

"ہاں ایک دفعہ اور بات کر کے دیکھوں گی۔" اوریدا نے اسے تسلی دی تو وہ مسکرا دی۔

"میری دلی خواہش ہے کہ میں تم دونوں کو ہنستا مسکراتا ایک ساتھ دیکھوں۔" عدینہ کی بے غرض محبت پر اوریدا مسکرا دی تھی۔

"اور میری دلی آرزو تھی کہ میں تمہیں اپنی بھابھی بناؤں' لیکن عبداللہ بھائی' اللہ جانے کہاں سے ٹپک پڑے۔" اس نے بھی شرارت کی۔ "مگر تم عبداللہ بھائی کے لیے انکار کر دو تو میری آفر برقرار ہے۔"

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ فضول مت بولو۔ گھر چلتے ہیں' مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے جان بوجھ کر بات کا رخ بدلا۔

وہ دونوں بڑے ابا کے ساتھ گھر پہنچی تھیں۔ بوا رحمت نے دوپہر کا کھانا لگا دیا تھا۔ بڑے ابا' عدینہ اور اوریدا ڈائننگ میز پر موجود تھے۔ عدینہ انہیں کالج میں

ہونے والے ایک سیمینار کے متعلق بتا رہی تھی، جسے وہ دلچسپی سے سن رہے تھے۔

ایک دم سے آنٹی بینش بڑے پُرجوش انداز میں ڈائننگ ہال میں داخل ہوئیں۔ اوریدا کے دل کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔ اس نے خوف زدہ نگاہوں سے آنٹی بینش کا ہنستا مسکراتا چہرہ دیکھا۔

"آؤ، آؤ بینش، کھانا کھاؤ ہمارے ساتھ مل کر......"

بڑے ابا نے خوش گوار انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

"نہیں تایا ابا، ابھی کچھ جلدی میں ہوں، شاپنگ پر جانا ہے۔" خوشی ان کے چہرے کے ہر نقش سے عیاں تھی۔

"شاپنگ..... خیریت....." وہ تینوں ہی چونکے۔

"جی تایا ابا! کل شام ارحم اور ارسلہ کی منگنی کا فنکشن ہے، آپ لوگوں کو انوائٹ کرنے آئی تھی۔"

آنٹی بینش نے دھماکا ہی تو کیا تھا۔ اوریدا کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پھسلا اور سفید ٹائلوں کے فرش پر جا گرا۔ گلاس اس کے دل کی طرح ٹوٹ چکا تھا لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ گلاس کے شیشے فرش پر پھیلے ہوئے تھے اور اس کے دل کی کرچیاں کسی کو نظر نہیں آرہی تھیں۔ وہ ہراساں نگاہوں سے بس آنٹی بینش کی استہزائیہ نگاہوں کو دیکھ رہی تھی۔



بیٹی کی ناگہانی موت نے بختاور کو نیم پاگل سا کر دیا تھا، وہ سارا سارا دن بیٹھی روتی رہتی، اس موقع پر ہاشم نے اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر اسے دلاسا دیتا لیکن بختاور کے دل کو کسی صورت بھی چین نہیں آرہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے اللہ نے مجھے کسی بات کی سزا دی ہے۔" اس کی باتیں ہاشم کو کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں لیکن وہ دانستہ اس بات کا اظہار نہیں کر رہا تھا، کیونکہ اسے بختاور کی ذہنی حالت کا بخوبی اندازہ تھا۔ سرفراز بھائی اور فائزہ بھابھی کو بھی ننھی فاطمہ کی موت

کی خبر سن کر دھچکا پہنچا تھا اور فائزہ بھابھی' بختاور کی دل جوئی کے خیال سے آج کل ہر دوسرے دن اس کے پاس آرہی تھیں۔ وہ کئی کئی گھنٹے اس کے پاس بیٹھی اسے تسلیاں دیتی رہتیں۔

"بختاور! تم قرآن پاک پڑھا کرو' اللہ تمہارے دل کو صبر دے گا۔" انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے خلوص دل سے مشورہ دیا۔

"صبر ہی تو نہیں آرہا بھابھی۔" وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

"ابھی تو میں نے اس کے ننھے وجود کی گرمی کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔" وہ روتے ہوئے بمشکل بول رہی تھی۔

"پریشان مت ہو' اللہ جلد تمہاری گود بھر دے گا۔" انہوں نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔

"مجھے لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی گناہ کی سزا دی ہے' ایک بچی کو دنیا میں آتے ہی واپس لے لیا اور دوسری کو دس دن بعد..." بختاور کو کسی صورت سکون نہیں آرہا تھا۔

"اللہ اپنے پیارے بندوں کو ہی آزمائش میں ڈالتا ہے' اپنا دل چھوٹا مت کرو بختاور..." فائزہ بھابھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے سمجھایا۔

"میں کیا کروں بھابھی! ہر وقت میرا دل بے چین رہتا ہے۔" وہ نم لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم زیادہ سے زیادہ استغفار کیا کرو اور اللہ سے دعا مانگا کرو۔" کمرے میں داخل ہوتے ہاشم نے ان کا یہ جملہ بغور سنا اور فوراً" ہی بولا۔

"میں تمہیں انگلش لٹریچر کی بہت سی کتابیں لائبریری سے ایشو کروا کر لادوں گا۔" ہاشم کو پتا تھا کہ اسے مطالعے کا کریز ہے۔

"ہاشم بھائی! اسے انگلش لٹریچر کے بجائے' اللہ سے رجوع کرنے دیں' اس کا ذہن پرسکون ہو جائے گا۔"

فائزہ بھابھی کی بات پر ہاشم نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن اس کی تیوری کے بل کچھ گہرے ہو گئے تھے۔

وہ دونوں میاں بیوی کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد ہاشم نے اسے سمجھانے کے لیے اچھا خاصا بڑا لیکچر دیا تھا۔ بختاور کا دل کچھ ٹھہر گیا تھا۔

اسی لیکچر کے نتیجے میں اگلے دن بختاور نے ننھی فاطمہ کی چھوٹی چھوٹی چیزیں اٹھا کر ایک بڑے شاپر میں ڈالیں۔ وہ انہیں کسی ایسی جگہ چھپا دینا چاہتی تھی جہاں پر اس کی نظر نہ پڑے اور انہیں دیکھ کر اس کے دل کو اذیت کا احساس نہ ہو۔ ان چیزوں کے لیے اسے ہاشم کا بڑا ٹرنک ہی بہتر اور محفوظ لگا تھا۔

اس نے افسردگی سے بیڈ کے نیچے پڑے ہاشم کے بڑے ٹرنک کو نکالا' وہ خاصا وزنی تھا۔ اس نے جیسے ہی اسے کھولا' وہ مختلف بوسیدہ کتابوں' کاغذات' فائلوں اور چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ اکثر چیزوں پر گرد جمی ہوئی تھی۔ وہ شاپر کو اندر رکھنے کے لیے جگہ بنانے لگی' اچانک اس کی نظر اسی باکس میں ایک طرف رکھی کتاب پر پڑی۔ بختاور کو بری طرح جھٹکا لگا۔

اس نے سرعت سے اس کتاب کو اٹھایا اور اس کی گرد پر ہاتھ پھیرا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کتاب کو دیکھ رہی تھی۔ جس پر تمام مسلمان ممالک نے بین لگا دیا تھا اور وہ پاکستان میں اس کی موجودگی خصوصاً" ہاشم کے پاس اس کے ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

یہ شیطان رشدی کی مشہور زمانہ شیطانی کتاب The Satanic Verses تھی۔ اس کتاب کے سرورق پر "شیطانی آیات" کے لکھے گئے الفاظ پڑھ کر بختاور کا دماغ بھک کرکے اڑا۔ وہ صدمے کے عالم میں اس کتاب کو دیکھ رہی تھی اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ ہاشم فلیٹ کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو کر اس کی پشت پر آن کھڑا ہوا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)